علماءِ اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داری

سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد اس کی جانشین انگریز حکومت کا مفاد اسی میں تھا کہ کم سے کم ہندوستانی تعلیم یافتہ ہوں اور جو تعلیم ہو وہ صرف ایسی جس سے اس بیرونی حکومت کی ضرورت پوری ہو سکے تو ارباب بصیرت حضرات علماء نے دینیات کی اعلیٰ تعلیم کی بقاء کے لئے دارالعلوم دیوبند اور اس کے نمونے کے عربی مدارس قائم کئے تھے جن کا اثر یہ ہوا کہ انگریزی اقتدار اپنے عروج و زوال کی منزل طے کر کے ختم ہو گیا مگر مذہبی تعلیم کے علماء کم تو کیا ہوتے ان کی تعداد پہلے سے بھی بدرجہا زائد ہو گئی لیکن اس وقت جبری لازمی تعلیم کا تصادم یا تقابل دینیات کی اعلیٰ تعلیم سے نہیں ہے بلکہ اس سے ہے جو لازمی تعلیم کے زمانے میں یعنی چھ سال کی عمر سے گیارہ سال کی عمر تک پڑھائی جاتی ہے جو بعینہ بنیادی تعلیم کا زمانہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ علماء اور عام مسلمانوں نے جس عزم و ہمت سے اس وقت کام لیا تھا اور اب تک خدا کے فضل و کرم سے لے رہے ہیں، اس عزم و ہمت کو اس وقت بنیادی تعلیم کے لئے کام میں لائیں اور دینی تعلیم کے نصاب میں اسلامی تہذیب اور اسلامی اخلاق کے ابواب ضرور رکھیں تاکہ اس کی انفرادی حیثیت اور ملی خودداری کا احساس مسلم بچوں کے ذہن و دماغ میں خوب جڑ پکڑ لے۔

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد علیہ الرحمہ صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
خطبہ صدارت اجلاس جمعیۃ ۱۳۸۵ھ، بمقام گیا، بہار

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہجرت

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یزید بن ھارون اخبرنا جریر بن عثمان قال ثنا عبد الرحمن بن ابی عوف الجرشی عن ابی ھند البجلی (رحمھم اللہ تعالیٰ) قال کُنَّا عِندَ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَھُوَ عَلیٰ سَرِیرِہٖ وَقَدْ غَمَضَ عَیْنَیْہِ فَتَذَاکَرْنَا الھِجْرَۃَ وَالقَائِلُ مِنَّا یَقُولُ قَدِ انْقَطَعَتْ وَالقَائِلُ مِنَّا یَقُولُ لَمْ تَنْقَطِعْ فَاسْتَنْبَہَ مُعَاوِیَۃُ فَقَالَ مَا کُنْتُمْ فِیْہِ فَاَخْبَرْنَاہُ وَکَانَ قَلِیْلُ الرَّدِّ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم فَقَالَ تَذَاکَرْنَا عِندَ رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم فقال لَا تَنْقَطِعُ الھِجْرَۃُ حَتّٰی تَنْقَطِعَ التَّوْبَۃُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا۔ (مسند احمد ص ۹۹/ج ۴ سنن کبری ص ۱۷/ج ۹)

اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیا "ہجرۃ" کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے یا باقی؟ "ہجرت نام ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے وطن و دیار کو چھوڑنے کا۔ یہ جتنا مقدس عمل ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضور نبی مکرم رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم اور متعدد انبیاء و رسل علیہم السلام نے اس عمل کو اپنایا اور دین اسلام کی خاطر اپنے دیار و وطن کی قربانی دی۔ حضور علیہ السلام کی "ہجرت مدینہ" آپؐ کی سیرت مطہرہ کا ایک جلی عنوان ہے اور آپ کی زندگی میں اس واقعہ سے قبل حضرات صحابہ علیہم الرضوان نے آپؐ کی ہدایت کے پیشِ نظر حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ اسی موقعہ پر کفار نے اپنا وفد شاہ حبشہ کے پاس بھیج کر مسلمانوں کو واپس منگوانا چاہا لیکن شاہ نے مسلمانوں سے بات کر کے ان کے تمام حالات سنے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مبسوط اور مفصل تقریر کی جس کی وجہ سے شاہ حبشہ نے کفار مکہ کے وفد کو ناکام واپس لوٹا دیا۔

بعض احادیث میں اس قسم کے اشارات موجود ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا قصہ ختم ہو گیا۔ "لا ھجرۃ بعد الفتح" اس قسم کی روایات کے پیش نظر یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا کہ آیا اب ہجرت ہے یا نہیں؟ یہی بات حضرت معاویہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ نے بیداری کے بعد ان حضرات سے معاملہ معلوم کیا تو آپ کو باہمی مذاکرہ سے آگاہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ صحابہ علیہم الرضوان کو اس سلسلہ میں خود حضور علیہ السلام کے سامنے گفتگو کا موقعہ ملا۔ اس وقت بھی اس قسم کے خیالات تھے دو رائیں تھیں لیکن حضور علیہ السلام کا ارشاد یہ تھا۔ کہ ہجرت ہے۔ ارشاد رسالت کا جو حصّہ حضرت معاویہؓ نے نقل کیا۔ اس کا ترجمہ ہے۔

"ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگا جب تک توبہ کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔ جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوگا"۔

قرب قیامت میں سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا

(باقی ۱۱)

مسرّت زا خبریں

ہفت روزہ
خدّام الدین
لاہور

جلد ۲۶ ❊ شمارہ ۴۳
۱۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ ❊ ۲۴ر اپریل ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

— رئیس الادارہ —
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
— مدیر منتظم —
مولوی محمد اجمل قادری
— مدیر —
محمد سعید الرحمن علوی

بدل اشتراک: سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

○ صدر پاکستان نے جب عبوری آئین نافذ کیا تو مختلف حلقوں میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں منکرین ختم نبوّت کو غیر مسلم اقلیّت قرار دینے کا آئینی فیصلہ تو کہیں اس کی زد میں نہیں آ گیا؟ ہماری سوچی سمجھی رائے تھی کہ وہ آئینی ترمیم اپنی جگہ موجود ہے لیکن ماضی قریب میں چند ایسے اقدامات ہوئے تھے جن کی وجہ سے دیندار طبقہ خاصی تشویش کا شکار تھا۔ الحمد للہ کہ حکومت نے اس طرف توجہ دی اور ایک خصوصی حکم کے ذریعہ یہ بات واضح کر دی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نام لیوا وہ قادیانی ہوں یا لاہوری آئینی طور پر اسلام سے خارج ہیں اور آئین نے ان کی جو حیثیت متعین کی تھی اس پر کوئی اثر نہیں پڑا — اس نے عام مسلمانوں کو مطمئن کر دیا ہے اور حکومت بجا طور پر اس معاملہ میں شکریہ کی مستحق ہے۔ تاہم ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے عملی تقاضوں کو فی الفور پورا کیا جائے ان دونوں طبقات سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جو کلیدی پوسٹوں پر متعین ہیں انہیں فی الفور علیحدہ کیا جائے۔ ان طبقات کی طرف سے مقدس اصطلاحات کے استعمال پر پابندی لگائی جائے، ربوہ کو صحیح معنوں میں کھلا شہر قرار دیا جائے اور ارتداد کے مکروہ شغل پر سخت پابندی ہو تاکہ اسلامی روایات کا تحفّظ ہو سکے۔

○ وفاقی شرعی عدالت نے "رجم" سے متعلق جو فیصلہ دیا اس پر سارا ملک چیخ اٹھا — واقعہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ اپنے مضمرات کے اعتبار سے بہت ہی غلط اور ناروا تھا۔ خوشی ہوئی کہ حکومت نے اس معاملہ کی شدّت کو محسوس کیا اور اس نے سپریم کورٹ میں اس فیصلہ کو چیلنج کر دیا۔ سپریم کورٹ کے فاضل جج صاحبان نے وفاقی

شرعی عدالت کے فیصلہ کو معطّل کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اپیل کی بہت جلد سماعت ہو گی۔ ہمیں امید ہے کہ ملک میں عدل و انصاف کا پاسبان یہ سب سے اہم ادارہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے گا۔ ادھر حکومت نے وفاقی شرعی کورٹ کی تنظیم نو اور اس میں حضرات علماء کرام کو مؤثر نمائندگی دینے کا جو اعلان کیا ہے وہ بھی خوب ہے۔ ہم نے بہت پہلے گذارش کی تھی کہ اس معاملہ میں علماء کو نظر انداز کر دینے کے نتائج نقصان دہ ہونگے الحمد للہ کہ حکومت نے محسوس کیا، اور اب اس طرف توجہ دی۔ ہمیں امید ہے کہ بہت جلد علماء کرام جج صاحبان کے برابر بیٹھ کر اپنے خداداد علم و فقاہت کی بنیاد پر اسلامی نظام کے راستہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر سکیں گے۔

لاہور کے ایک ماہنامہ . . . . . . نے رجم کے عدالتی فیصلہ پر جس طرح بغلیں بجائیں وہ اس کے خبث باطن کا مظہر ہیں۔ یہ رسالہ اور اس کا اڈیٹر . . . . اس قسم کے سوشے چھوڑتے رہتا ہے۔ اس قسم کے . . . . . صحافیوں اور ان کے چیتھڑوں پر پابندی لازمی ہے۔

○ ملک کے دیندار اور اکابر اہل حق سے وابستہ لاکھوں مسلمانوں نے یہ خبر سن کر خوشی محسوس کی ـــ کہ مرشد العلماء حضرت درخواستی زید مجدھم نے امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالٰے کے فرزند حضرت مولانا عبید اللہ انور کو نظام العلماء پاکستان کا جنرل سیکرٹری مقرر کر دیا ہے۔ نظام العلماء کے متعدد رہنماؤں کی لاہور میں موجودگی اور ان سے مشورہ کے بعد یہ اعلان کیا گیا اور یہ خوب اعلان ہے ـــــــ مولانا عبید اللہ انور کی محض یہ خوبی نہیں کہ وہ ایک عظیم باپ کے بیٹے ہیں بلکہ علم و فضل، شرافت و تقویٰ نیکی و خلوص اور اندرونی و بیرونی حالات پر گہری نظر کے اعتبار سے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

مولانا المحترم نے بڑے ہی نازک ادوار میں جس جرأت و بے خوفی کا مظاہرہ کیا وہ انہی کا حصّہ تھا۔ شیخ لاہوری کا فرزند جسے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے خادم ہونے کا ایک عرصہ تک فخر حاصل رہا۔ جس نے شیخ الاسلام حضرت مدنی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علوم و معارف کی دنیا میں ایک مقام حاصل کیا جو دین پور شریف اور امروٹ شریف کی انقلابی خانقاہوں کا جرعہ نوش ہے وہ انشاء اللہ تعالٰی اپنے سوزِ دروں، ایثار، للّٰہیت اور خلوص کے بل بوتے پر جماعت کے لئے ایسا مسیحا نفس ثابت ہو گا کہ صدمات سے چور ورکر اطمینان و سکون کا سانس لے سکیں گے۔

ہم حضرت درخواستی سمیت جماعت کے بزرگوں کو اس حُسنِ انتخاب پر مبارک پیش کرتے ہوئے شیخ انور کو یقین دلاتے ہیں کہ اس راہ میں بے شمار کارکنوں کی عملی خدمات آپ کے ساتھ ہوں گی اور پورا ملک آپ کے ایک حکم و اشارہ پر میدانِ عمل میں ہو گا۔

جماعتی کارکن اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں، اپنے آپ کو منظم کریں اور جو بے دین و لادین طاقتیں آپ کو کمزور سمجھ کر بغلیں بجا رہی ہیں، اپنے عمل و کردار سے ان پر واضح کر دیں کہ ہم اللہ تعالٰی کے فضل سے زندہ ہیں اور ہماری موجودگی میں الحاد و دہریت کے پرچارک اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالٰی ہمارا حامی و ناصر ہو۔

علی
13.4.81

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

کامیاب لوگ!

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّ ظلہم ○

وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ . . . . . . ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝ (الشوریٰ ۳۷ تا ۳۹)

محترم حضرات! سورۂ شوریٰ کی تین آیات آپ کے سامنے نقل کی گئیں۔ ان کا ترجمہ سب سے پہلے ملاحظہ فرمائیں:-

"اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔ اور ہمارے دئے ہوئے میں سے کچھ دیا بھی کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لیتے ہیں۔ (حضرت لاہوریؒ)

صاحبِ ایمان اور اللہ تعالٰے کی ذات پر اعتماد و بھروسہ رکھنے والے لوگ جن کا ذکر ماقبل کی آیت ۳۶ کے آخر میں ہے لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ان کے خصائص و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے اور وہ چند باتیں ہیں:-

بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچنا، غصہ کے وقت معاف کر دینا، اپنے رب کا حکم ماننا، نماز ادا کرنا، اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنا، اللہ تعالٰی کی راہ پر خرچ اور ظلم کا بدلہ۔ بقول حضرت لاہوری قدس سرہٗ ان آیات میں ابدی نعمتوں کے ورثا کے بقیہ اوصاف ہیں۔ کیونکہ اس سے قبل ایمان و توکل کا ذکر ہے اور ایمان کے بغیر تو ابدی نعمتوں کا تصوّر ہی نہیں۔

ان ارشادات کی وضاحت

کبائر الاثم (بڑے گناہ) سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بقول شرک مراد ہے اور الفواحش (بے حیائی کے کام) سے مراد وہ گناہ ہیں جن میں برائی ہو۔ جیسے زنا وغیرہ۔ جب کہ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن پر شریعت مطہرہ نے حد مقرر کی ہے ـــ (تفسیر کشف الرحمٰن) اس اعتبار سے زنا، چوری، قتل، ڈاکہ اور شراب نوشی جیسے قبیح جرائم سارے ہی آ جاتے ہیں کہ ان کی سزائیں بطور حد مقرر ہیں ـــ شادی شدہ زانی کے لئے رجم، بغیر شادی شدہ زانی کے لئے سو کوڑے، چوری کے لئے ہاتھ کاٹنا، قتل کا بدلہ قتل، ڈاکہ کی سزا مختلف صورتوں میں مختلف ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں تفصیل ہے اور شراب کے لئے ۸۰ کوڑے اور کسی پر زنا کی تہمت پر بھی اتنے ہی کوڑے!

تیسری بات فرمائی گئی ہے کہ غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں یعنی اپنے ذاتی معاملات میں اور دنیوی قضیوں میں انتقام کی خواہش نہیں کرتے۔ بلکہ عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں۔

قرآن عزیز نے اس بات کو کئی جگہ بیان فرمایا۔ سورۂ آل عمران

کی آیت ۱۳۴ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو وسیع و عریض جنت کے مستحق ہیں ان کی خوبیوں میں فرمایا گیا کہ وہ خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں ——— حضور سرورِ کائنات نبی مکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ، کسی کو پچھاڑ دینا پہلوانی نہیں۔ غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پا لینا پہلوانی ہے۔ غصہ کو شیطانی عمل بتایا گیا جبکہ انتقام نہ لینے کی خواہش اور عفو و درگذر کو بڑی نیکی اور سعادت سے تعبیر کیا گیا۔

چوتھی بات فرمائی گئی "اپنے رب کا حکم ماننا۔" ظاہر ہے کہ ایک بندہ فی الحقیقت پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی نیازمندی کا مظاہرہ کرے اور ہر معاملہ میں اس ذات بے ہمتا کے احکامات کی پیروی کرے۔ ع

بندہ آمد از برائے بندگی کا محاورہ و مصرعہ بہت معروف ہے ایک شریف النفس انسان مرضی مولا کے بغیر قدم اٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر کبھی بھولے سے ایسا قدم اٹھ جائے تو تاوقتیکہ وہ سچی توبہ نہ کرلے اسے چین نہیں آتا۔

اندازہ فرمائیں کہ وہ بھی لوگ تھے جن سے زنا کا گناہ سرزد ہو گیا تو وہ بارگاہِ نبوی میں دوڑے آئے کہ یا رسولؐ اللہ! ہم سے یہ گناہ ہو گیا۔ اس طرح اللہ کی نافرمانی ہم سے سرزد ہو گئی ہمیں پاک کر دیں۔ ہر چند کہ حضور علیہ السلام نے بے رخی برتی لیکن ان صاحب پر (حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے جو اثرات تھے اسے وہ جلد سے جلد دور کرنا چاہتے تھے۔ مبادا اسی حالت میں موت نہ آئے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی، انہیں تسلیم کرنا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا زندگی کی کامیابی کے لئے ازحد ضروری ہے ——— یوں بے ہنگم طریق سے زندگی آدمی گذارنا چاہے تو بھی گذر سکتی ہے آخر کیڑے مکوڑے مکھی مچھر کی بھی گذر رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اس کے معاملات تو باقی انواع مخلوق سے بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے اس کے ماتھے کا جھومر اپنے رب کے احکامات کی پیروی اور اطاعت ہے۔

پانچویں بات اقامت صلوٰۃ فرمائی ——— اندازہ لگائیں قرآن کریم نے کہاں کہاں اور کس کس انداز سے نماز کا ذکر کیا ——— واقعی نماز اہم العبادات ہے یہی فرض اور اللہ کا حق ہے جس کے متعلق صحیح قیامت میں پہلے پہل سوال ہوگا یہی وہ فریضہ ہے جس کی اقامت کو سرور کائنات علیہ السلام نے پورے دین کی اقامت سے تعبیر فرمایا اور یہی ہے جس کے ضیاع کو پورے دین کے ہدم و بربادی کے کے مترادف ٹھہرایا۔ بچوں کو سات برس کی عمر میں تلقین کا فرمایا تو دس برس کی عمر میں گوشمالی کی ہدایت کی۔ سفر و حضر، بیماری و صحت کسی حال میں اس فریضہ سے فرار کی گنجائش نہیں۔ حالات کے بدلنے سے رعایتوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ لیکن سجدہ نہ کیا جائے اس کی گنجائش کہاں؟ اور جس نے ایسا کیا وہ سرکارؐ کے فرمان کے مطابق ایمان و اسلام کی سرحدات سے نکل گیا ——— حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ سجدہ کے دَوران بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سرکارؐ کے سفر معراج کا وہ مقدس تحفہ جو خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کے لئے بھیجا ——— لیکن بندے اس کے متعلق جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ ڈوب مرنے کا ہی تو مقام ہے۔

اگلی بات باہمی مشورت کی ہے جو گویا اسلام کے نظامِ حکومت و

سیاست کا سنہری اصول ہے۔ خود سرکارِ دو عالم علیہ السلام جو مہبطِ وحی تھے انہیں بھی اپنے احباب و رفقاء سے مشورہ کی تلقین کی ——— وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران)

حضرت حسن بصری قدس سرہ کا قول ہے جو قوم باہم مشورہ سے کام کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ بسا اوقات ہمیں ایسے معاملات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن کے متعلق قرآن حکیم میں کوئی حکم نہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ایسا معاملہ پیش آئے تو امّت کے عبادت گذار لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کر لینا اور پھر اس پر عمل کرنا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ اہل عقل سے مشورہ کر لو تم راہ پا لوگے اور مشورہ سے جو بات طے ہو اس کی مخالفت نہ کرو ورنہ ندامت اٹھاؤ گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دین کا کام ہو یا دنیا کا، مشورہ سے کرنا ہی پسندیدہ ہے ——— اگلی بات فرمائی کہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بخل پسند نہیں۔ سخاوت ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ پسند ہے۔ وہ یہ باور کرتا ہے کہ تمہارا سرمایہ اور تمہاری دولت تمہاری نہیں میرا عطیہ ہے اسے میری راہ میں خرچ کرو تو میں اس میں اضافہ کر دوں گا، تمہیں مزید نوازوں گا ——— آخری بات ہے جتنا ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لیتے ہیں ——— بقول مولانا احمد سعیدؒ :-

"یعنی دین کے بارے میں اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو مناسب یعنی برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ اوپر کی آیت میں درگذر کرنے کی تعریف تھی، یہاں انتقام پر ان کی مدح فرمائی۔ یعنی اپنے حق میں درگذر اور عفو کا شیوہ رکھتے ہیں۔ لیکن دین کے بارے میں سخت اور منتقم ہیں۔"

(کشف الرحمٰن ص۷۷)

فوائد عثمانی

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ مشورت پر لکھتے ہیں :-

"مشورے سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے دین کا ہو یا دنیا کا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم مہمات امور میں برابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے اور اور صحابہؓ آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل و احکام کی نسبت بھی۔ بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں اور جو قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں۔ جو چیز منصوص ہو اس میں رائے و مشورہ کے کوئی معنی نہیں اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو ورنہ اس کی بے وقوفی یا بددیانتی سے کام خراب ہو جانے کا اندیشہ رہیگا"

(ص ۶۳۲)

اور ظلم پر بدلہ کے ضمن میں لکھتے ہیں :-

"یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے۔ مثلاً" ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے معاف کر دیا۔ یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو۔ مثلاً" کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم و زور

(باقی ۱۱ پر)

کیا سنگساری اسلامی سزا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلے میں کہ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ زانی پر سنگساری کی سزا اسلامی نہیں ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ امید ہے آپ قرآن، حدیث، اجماع و قیاسِ شرعی سے جواب کو مزیّن فرمائیں گے ——— شکریہ!

پروفیسر ناصر اقبال
گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

الجواب :

مبسملاً و محمدلاً و مصلیاً و مسلماً

رجم یعنی شادی شدہ زانی کو شرعی ثبوت کے بعد پتھر مار مار کر ہلاک کرنا ایک خدائی حد ہے اس کا انکار کرنا یا اس کو تعزیر یعنی حاکمِ وقت کی خود کی تجویز قرار دینا ہی خود ایک غیر اسلامی کام ہے۔ شادی شدہ زناکار کو بعد ثبوتِ شرعی رجم کرنا قرآن مجید، احادیثِ متواترہ، اجماع صحابہ بلکہ اجماع امّت اور قیاسِ شرعی سے ثابت ہے، خطرہ ہے کہ ایسا کہنے والے اسلام سے ہی خارج نہ ہو جائیں جس طرح بھی جس سے ہو سکے ان سے توبہ کرالے۔

قرآن مجید

الزانیۃ والزانی فاجلدو کل واحدٍ منھما مائۃ جلدۃ (زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا ان میں سے ہر ایک کو سَو کوڑے لگاؤ) اس آیت شریفہ میں یہ مذکور نہیں کہ یہ شادی شدہ کی سزا ہے یا غیر شادی شدہ کی یا دونوں کی، یہ عام ہے یا خاص، اس کی تشریح کے لئے ہم کو تشریح نبویؐ کی ہی ضرورت ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور سب دین و دنیا کے احکام کلی قرآن مجید میں ہیں اور تفصیلات کی تشریح کے لئے تشریحات نبویّہ ہی کی ضرورت ہے۔ ان کے مقابل کسی کی کوئی تشریح معتبر نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی یہاں ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات یعنی احادیث پاک سے جو آگے درج ہیں معلوم ہو گیا کہ صرف غیر شادی شدہ کی سزا بیان فرمائی گئی ہے۔ شادی شدہ کی سزا بیان نہیں فرمائی۔ یہ بڑا ہی کرم اور شفقت ہے کیونکہ غیر شادی شدہ کو بظاہر کچھ نہ کچھ مجبوری سی بھی ہو سکتی ہے، پھر بھی وہ اس سزا کا مستحق ہے اور شادی شدہ کو کوئی مجبوری نہیں ہو سکتی وہ سخت مجرم بنتا ہے۔ مگر مسلمان سے یہ صورت بعید تھی، ہمارا عیب مشہور نہیں کیا مستور کر کے تشریحات میں بیان کر دیا۔ صرف اتنا اشارہ یہاں ہوا کہ کچھ مجبوری پر بھی یہ سزا ہے تو بغیر مجبوری کے تو سخت ترین سزا کا حقدار ہو گا۔

۲: ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھو (جو تم کو رسولؐ دیں لے لو، جس سے روکیں رُک جاؤ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر عمل اور ہر ممانعت سے بچنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو گیا۔ جب احادیث متواترہ سے رجم اسلامی سزا قرار پا گئی تو اس حکم الٰہی سے رجم بھی ایک خدائی حد بن کر فرض ہو گئی۔ اب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر امر و نہی کی مخالفت کریگا وہ اس خدائی حکم کی مخالفت ہو گی۔

۳: ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جو رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گا اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی) اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جو حضورؐ کی فرمانبرداری

نہیں کرے گا اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بھی نہیں کی۔ اس لئے رجم (سنگساری) کو اسلامی حد نہ قرار دینا بھی اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری سے نکلنا ہو گا۔

۴: جب بہت حدیثوں میں رجم کرنے کو کتاب اللہ کا حکم قرار دیا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالاً من اللہ (بڑی عمر والا اور بڑی عمر والی جب زنا کریں تو اللہ کے عذاب کے طور پر ان کو رجم کرو یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کرو) اس کے صرف لفظ منسوخ ہوئے ہیں اور حکم باقی ہے۔ لہٰذا یہ حد شرعی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۲۳ پر ہے کہ صحیح ابن حبان (حدیث کی کتاب) میں ہے کہ یہ آیت سورۂ احزاب میں تھی۔

حدیث شریف

۱: حضرت عمرؓ نے جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے منبر پہ تشریف رکھتے تھے خطبہ دیا فرمایا ـــ کہ اللہ تعالےٰ نے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور آپؐ پر کتاب نازل فرمائی، جو جو کچھ کتاب اللہ میں آپؐ پر نازل ہوا اس میں آیت رجم بھی تھی جس کو ہم نے پڑھا، یاد کیا، اور سمجھا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ زمانہ گذرنے پر کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ تو وہ ایک دینی فریضہ چھوڑ دینے سے گمراہ ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور سمجھ لو کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اس شخص پر جو مردوں اور عورتوں میں سے محصن یعنی شادی شدہ ہو، جبکہ اس کے زنا پر شرعی شہادت قائم ہو جائے یا حمل (کنواری کا) یا اعتراف پایا جائے (مسلم ج ۲ ص ۶۵) (بخاری ج ۲ ص ۱) اور نسائی میں اسی روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں ـــ "زنا کی سزا میں ہم شرعی حیثیت سے رجم کرنے پر مجبور ہیں، کیونکہ وہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے۔ خوب سمجھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا اور اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کہنے والے کہیں گے کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہے تو میں قرآن مجید کے کسی حاشیہ میں اس کو لکھ دیتا اور عمرؓ بن الخطاب گواہ ہے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف گواہ ہیں اور فلاں فلاں صحابی گواہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے رجم کیا۔ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ کوئی قوم اسے کتاب اللہ میں نہ پائے تو اس کی وجہ سے کافر نہ ہو جائے۔

تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۲۳ پر ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ خطبہ صحابہؓ کی موجودگی میں تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی اس پر انکار نہیں کیا۔ یعنی حضرت کے اس تمام بیان کو تمام صحابہؓ نے تسلیم کیا۔

۲: بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین کے۔ ایک جان کے بدلے جان، دوسرا شادی شدہ زانی، تیسرا مُرتد،

۳: حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کو ایک عورت غامدیہ اور ایک عورت جہینیہ کو رجم فرمایا اور یہ واقعات بہت بہت سندوں سے حدیثوں میں آئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کرنا معنوی متواتر حدیثوں سے ثابت ہے، دو صفحہ بعد ہے۔ علمائے فقہ و حدیث نے بیان کیا اور تمام خلفائے راشدین کا عمل رہا ہے جو حدِ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ (مظہری)

اجماعِ امت

روح المعانی ج ۱ ص ۷ پر
ہے۔ اس بات پر تمام صحابہ اسلاف
علمائے امت اور تمام ائمہ مجتہدین
کا اجماع ہے کہ محصن (شادی شدہ)
زانی اور زانیہ کو پتھر مار مار کر
ہلاک کر دیا جائے۔ میزان شعرانی
ج ۲ ص ۱۳۳ پر بھی تمام ائمہ مجتہدین
کا اتفاق رجم کے سزائے شرعی
اور اس کے حد ہونے پر درج ہے
رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ بر حاشیہ
میزان ج ۲ ص ۱۲۹ پر ہے کہ تمام
ائمہ کا اتفاق ہے اس پر کہ زنا
گناہ عظیم ہے۔ یہ حد واجب کرتا
ہے اور شادی شدہ کی حد رجم
ہے۔ تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۲۲
جبکہ زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں
دونوں کو رجم کیا جائے گا۔ تمام صحابہؓ
اور بعد کے تمام علمائے خیر کا اس
پر اجماع ہے۔

قیاس شرعی

شرعی قیاس جو کسی بات کے
دینی ہونے کی ایک دلیل ہوتی ہے
صرف عقلی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ
قرآن یا حدیث کے حکم کی علت جہاں
جہاں پائی جائے گی۔ ان سب کو
اسی قرآن یا حدیث کے حکم تحت
داخل کرنا شرعی قیاس ہے۔ بعض
لوگوں نے اس کا مفہوم عقلی بات
قرار دے کر غلطی میں پڑنا قبول
کیا ہے۔ یہاں ایسی دلیل بھی موجود
ہے اس سے کوڑوں اور رجم کے
اسلامی سزا ہونے کو معلوم کیا جا
سکتا ہے۔ چوری کی سزا داہنا ہاتھ
کاٹنے کی علت جسے ہر شخص سمجھ
سکتا ہے یہ ہے کہ چوری کے جرم
میں داہنا ہاتھ ہی اصل مدار ہوتا
ہے، اسی سے زیادہ کام لیا جا
سکتا ہے تو علت سزا کی وہ
چیز ہوئی جس کو اس جرم میں
دخل ہو، زنا میں سر سے پیر تک
ہر ہر عضو لطف اندوزی کر کے
دخل ہوتا ہے اس لئے ہر ہر
عضو پر سزا وارد ہونی چاہیئے۔
غیر شادی شدہ کے جرم میں کچھ
مجبوری سی ہونے سے ہلکا پن ہے
تو اس کی سزا یہی دوسری سزا ہے
ہلکی مگر سارے بدن کے ہر ہر عضو
پر سو کوڑوں کی ضرب ہے اور
شادی شدہ میں جرم کا ہلکا پن
نہیں اس میں ہر ہر عضو کو تلف
کرنا اور سختی سے تلف کرنا سزا
ہوگی یعنی پتھر مار مار کر ہلاک
ہونے سے ادا ہوگی۔

دلیل فقط ایک بھی کافی ہے

دو چار اور پھر چاروں قسم کی
دلیلوں کی ضرورت نہیں۔ ایک سے
بھی حکم ثابت اور تعمیل لازمی ہوتی
ہے۔ مگر یہاں متعدد چاروں قسم
کی دلیلیں موجود ہیں۔ اب بھی کوئی
کسی قسم کی رٹ لگائے تو خود
سمجھ لیجئے اسے کیا کہنا چاہیئے۔

حد میں نرمی گناہ ہے

ممکن ہے کوئی صاحب محض
اس لئے اس سے انکار کرتے ہوں
کہ مخلوق خدا پر رحم ہو مگر اول
تو سزا میں رحم کرنا جرم کو
پرورش کرنا ہے۔ آیت مذکورہ ملا
کے بعد ہے ولا تاخذکم بھما
رافۃ فی دین اللہ (اور تم کو
ان دونوں پر اللہ تعالےٰ کے معاملہ
میں ذرا بھی رحم نہ آئے) دوسرے
تفسیر احمدی ص ۲۵۰ پر ہے کہ حدیث
میں ہے، قیامت میں ایک حاکم پیش
ہوگا جس نے حد میں ایک کوڑا کم
کر دیا تھا اس پر سوال ہوگا،
تو عرض کرے گا۔ آپ کے بندوں
پر رحم کرنے کے لیے۔ ارشاد ہوگا
کیا تم اس پر مجھ سے زیادہ رحم
کرنے والے ہو اور اس کے لئے
دوزخ کا حکم فرما دیا جائے گا۔
پھر ایک اور حاکم پیش ہوگا جس
نے حد میں ایک کوڑا زائد کر دیا
تھا۔ اس پر سوال ہوگا تو عرض
کرے گا اس لئے کہ وہ آپ کی
نافرمانیوں سے رک جائے۔ ارشاد
ہوگا کیا تم میرے بندوں کی
مصلحتیں مجھ سے زیادہ جانتے ہو
اس کو بھی دوزخ میں بھیج دیا
جائے گا۔ متعدد کتابوں میں یہ حدیث

بھی موجود ہے کہ ایک عورت نے
چوری کی تھی اس پر صحابہؓ نے
سفارش کا قصد کیا اور حضرت
اسامہؓ بن زید کو جن سے حضورؐ کو
بہت محبت تھی سفارش کے لئے
بھیجا۔ حضورؐ ناراض ہوئے اور فرمایا
کیا اللہ کی حدوں میں سفارش کرتے
ہو۔ خدا کی قسم محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی اگر
چوری کرے گی (العیاذ باللہ) میں
اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔
امید ہے کہ یہ لوگ اس پر بھی
غور کریں گے۔

**جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ
لاہور۔ مشیر فقہ وفاقی شرعی حکومت پاکستان۔**

بقیہ: خطبہ جمعہ

سے دبلنے کی کوشش کرے یا جواب
نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے
یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر
کرکے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین
کی تذلیل ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں
بدلہ لیتے ہیں وہ بھی بقدر اس کی
زیادتی کے، جرم سے زائد نہیں۔
(ص ۶۳۲)

اندازہ فرمائیں قرآن حکیم کی
تعلیم کتنی عجیب و غریب ہے
وہ ہر معاملہ میں کتنے اعتدال کے
ساتھ قدم بڑھانے کا حکم دیتا ہے۔
آج ہماری ناکامی و نامرادی کا اصل
راز یہی ہے کہ خالق کائنات اور
رب ذوالجلال کی نازل کردہ تعلیم
کو ہم نے نظرانداز کر رکھا ہے۔
بگڑا اب بھی کچھ نہیں۔ اگر ہم
سنبھل جائیں ندامت کے ساتھ اس
کے حضور گڑگڑائیں اور توبہ کریں
اور آئندہ کو اپنی روش درست کر
لیں تو وہ ذات باری اپنی رحمت
خاصہ سے سرفرازیوں کے دروازے
کھول دے گی۔

اللہ تعالیٰ اصلاح عمل کی
توفیق دے۔ وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ
الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بقیہ: احادیث الرسولؐ

یہ وہ وقت ہوگا جب اجتماعی طور
پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا
(انفرادی طور پر توبہ کا دروازہ اس
وقت بند ہوتا ہے جب آدمی جانکنی
کے عالم میں مبتلا ہوتا ہے) اس وقت
تک حضور علیہ السلام کے ارشاد کے
مطابق ہجرت کا سلسلہ جاری رہے گا
مقصد یہ ہے کہ اعمال خیر اور اعمال
شر کا سلسلہ اس وقت تک جاری
رہنا ہے انہی میں ہجرت بھی ہے۔
رہ گیا وہ ارشاد جس میں "فتح مکہ"
کے بعد ہجرت کے ختم ہونے کا
ارشاد ہے تو اس کا تعلق محض
اس واقعہ سے ہے جسے احادیث و
سیرت کی کتابوں میں "واقعہ ہجرت" کے
نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ
کی اہمیت و عظمت جو کچھ ہے وہ
مسلّم ہے اور اس کی عظمت کی
ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے
قافلہ سالار خود حضور سرور کائنات
علیہ السلام تھے اس واقعہ کا ملت
کی نشاۃ ثانیہ میں جو مؤثر کردار ہے
وہ ایک واضح اور ٹھوس حقیقت ہے۔

ان چند در چند وجوہات کے
پیش نظر جو اجر و ثواب اور برکات
اس ہجرت سے متعلق ہیں ظاہر ہے
کہ بعد کے کسی واقعہ پر وہ ثمرات
مرتب نہیں ہو سکتے ـــ تاہم اس کا
یہ بھی مطلب نہیں کہ یہ عمل خیر
سرے سے ختم ہو گیا وہ اپنی جگہ
موجود ہے اور آج بھی اگر کہیں
اس قسم کے واقعات پیش آ جائیں
اور مسلمان اپنے دین و ایمان کی
خاطر گھر سے نکل کھڑے ہوں تو
ان کے اس عمل پر یقیناً اجر و
ثواب مرتب ہوگا۔ اور انہیں مہاجرین
کی صف میں یقیناً جگہ ملے گی۔

یہی مقصد ہے اس ارشاد
نبوّت کا جس کو حضرت معاویہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل فرمایا۔

مسلمانوں کے رسم و رواج پر ہندوستانی اثرات

از خواجہ حسن ثانی نظامی

یہ قیمتی مقالہ ہمیں ایک فاضل دوست کے توسط سے حاصل ہوا جس پر ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔ ہندوستان کے دار الحکومت **دہلی** جیسے اہم شہر میں ایک بین الاقوامی سمینار میں پڑھا گیا جو پندرھویں صدی ہجری کے سلسلہ میں منعقد ہوا تھا ——— اس کی افادیت کے پیش نظر مکمل مقالہ ایک ہی اشاعت میں پیش خدمت کیا جا رہا ہے ——— (ادارہ)

ہندوستان کے مشترکہ کلچر کی نشوو نما میں تین قسم کے رویّے نظر آتے ہیں۔ ایک رویہ اس طبقے کا ہے جو بالکل الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے دوسرا طبقہ مخصوص حدود میں میل ملاپ چاہتا ہے اور تیسرا طبقہ ہر قسم کی پابندیوں سے بے نیاز ہو کر اور ٹوٹ کر ملنے پر آمادہ رہتا ہے۔ میرے پیش نظر اس مضمون میں آخر الذکر دو طبقوں کا رویہ رہے گا۔ کیونکہ پہلے طبقہ کی حالت تو یہ ہے کہ وہ ہر قیمت پر اپنے آپ کو الگ رکھنا چاہتا ہے چاہے اس کوشش میں صورت حال مضحکہ خیز ہی کیوں نہ ہو جائے چنانچہ ہندوؤں میں چھوت چھات اور مسلمانوں میں مشابہت سے بچنے کا جذبہ اکثر ایسی ہی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ وزیر اعلیٰ کشمیر راوی ہیں کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنی دو قوموں کی تھیوری کے جواز میں ان کے سامنے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک دفعہ غالباً پنڈت مدن موہن مالوی ان سے ایسے وقت ملنے آئے جبکہ قائد اعظم کھانا کھانے بیٹھ رہے تھے انہوں نے پنڈت جی کو میز پر ہی بلا لیا اور چونکہ میز پر سبزیاں بھی موجود تھیں پنڈت جی کو کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی پنڈت جی نے کہا کہ مجھے آپ کے ساتھ بیٹھ کر سبزی کا کھانا کھانے میں عذر نہیں ہے لیکن آپ میز پر سے میز پوش اور نیچے سے قالین ہٹوا دیں کیونکہ ہمارے نزدیک چھوت کپڑے کے ذریعہ لگتی ہے۔ آپ کی چھوت میز پوش اور قالین کے ذریعے سفر کرتی ہوئی مجھ تک آسکتی ہے

دو مشہور مسلمان عالموں کا قصہ ہے کہ ان پر کچھ ایسی افتاد پڑی کہ میز کرسی پر کھانا کھانے کے لیے مجبور ہو گئے بیٹھنے کو میز کرسی پر بیٹھ گئے مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال و جواب ہونے لگے اور ایک دوسرے سے گویا یہ کہا جانے لگا کہ میز کرسی پر تو کرسٹان کھانا کھاتے ہیں ہم بھی میز پر کھائیں گے تو ان کی مشابہت ہو جائے گی۔ آخر ایک مولانا کو یہ ترکیب سوجھی، کہ کرسی پر معمول کے مطابق پیر لٹکا کر نہ بیٹھیں بلکہ اکڑوں یا آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیں۔ ہرچند کہ یہ صورت مضحکہ خیز ہوگی لیکن کرسٹانوں کی مشابہت سے تو بچ جائیں گے۔

دوسرے طبقے کے پیشِ نظر ہمیشہ اسلام کا یہ اصول رہتا ہے کہ بنیاد جواز ہے۔ اور ناجائز صرف وہی چیزیں ہیں جن کی صاف طور پر نشان دہی کر دی گئی ہو۔ اور جن سے روک دیا گیا ہو۔ چنانچہ یہ لوگ غیر عرب ممالک کے ان تمام علوم و فنون اور رسم و رواج کو اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جو اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہیں ٹکراتے۔

تیسرا رویّہ اس طبقہ کا ہے جو نیا نیا مسلمان، کیا جاتا ہے اور جائز ناجائز کی بحث سے الگ اپنے قدیم رسم و رواج کو یکسر چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔۔ ہندوستان کے بت پرست عربوں کی طرح صرف روٹی، بیٹے اور جنگ جیتنے کے لیے دیوی دیوتاؤں کو نہیں پوجتے تھے۔ ان کے ہاں دنیا اور آخرت کے بارے میں باقاعدہ ایک فلسفہ تھا اور اپنے عقیدے میں وہ اتنے راسخ تھے۔۔ کہ حضرت امیر خسرو ان کی مثال دے کر مسلمانوں کو شرم دلاتے تھے کہ یہ لوگ بیجان پتھروں سے ایسی عقیدت رکھتے ہیں کہ تم اپنے حیّ اور قیوم اللہ کی عبادت میں ان کی شیفتگی اور وارفتگی، کو نہیں پہنچتے۔ بے شمار رسوم ان ہندوؤں کے مزاج کا حصّہ ہیں اور مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ ان رسوم کو آسانی سے ترک نہیں کر سکتے ان میں سے اکثر رسوم مشرکانہ ہیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتی ہیں اس لیے اس عجیب صورت حال کا سامنا اور سانپ کی موت اور مکڑی کا سامان اس طرح کیا گیا کہ خفیف سے رد و بدل، اور ناموں کی تبدیلی سے خود ان مشرکانہ رسوم کو مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش ہوئی مثلاً بچوں کی سلامتی اور دوسری مرادوں کے لیے دیوی دیوتاؤں کے سامنے منت کے دیئے جلائے جاتے ہیں یہ کام چھوڑا نہیں گیا بس جگہ بدل دی۔ مندر کے بجائے مسجد اور درگاہ میں اس مقصد سے چراغ روشن کیے جانے لگے۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ مسجد اور چراغ کا یہ مصرف ہندوستان کے علاوہ کسی اور مسلمان ملک میں بھی ہو۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک برہمن کا قصہ بیان کیا ہے جس کا سارا مال اسباب حاکم نے ضبط کر لیا تھا اور وہ بالکل کنگال ہو گیا تھا مگر پھر بھی خوش تھا اور مگن تھا۔ اور سب سے کہتا تھا کہ دولت چلی گئی تو کیا ہوا۔ میرا جنئو تو میرے پاس ہے! ایسے لوگ جب مسلمان ہوتے تھے تو جنئو کا تصوّر کسی طرح ان کے ذہن سے نہیں نکلتا تھا اس کا علاج مبلّغین نے یہ کیا کہ ان کے گلے میں سبز رنگ کا ایک ڈورا ڈالا اور کہا کہ یہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری کی بدّھی ہے۔ یہ بدّھی اب کئی رنگوں کی ہو گئی ہے اور اس کو کلاوہ کہنے لگے ہیں۔ فاتحہ کی شیرینی کے ساتھ کچے سوت کے یہ لال پیلے دھاگے بھی رکھے جاتے ہیں۔ اور فاتحہ کے بعد ان کو بطور تعویز گلے میں ڈال لیا جاتا ہے

. . . . برکت اور صحت و سلامتی کے لیے بچے بوڑھے انہیں گلے میں پہنتے ہیں۔ مگر جنئو کی طرح انہیں مستقل نہیں پہنا جاتا۔ کچھ دن کے بعد اتار دیتے ہیں، اور دریا، تالاب یا کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اسے کلاوے کو ٹھنڈا کرنا کہتے ہیں۔

قدیم ہندوستان میں جبکہ راستے غیر محفوظ اور سفر دشوار تھا کوئی شخص تیرتھ کی یاترا کا ارادہ کرتا تو بطور نشانی ایک چھڑی کپڑا لپیٹ کر ہاتھ میں لے لیتا، یہ چھڑی یاترا کی علامت ہوتی تھی اور اسے دیکھ کر یاترا کا ارادہ رکھنے والے دوسرے لوگ بھی ساتھ ہو جاتے تھے اور ایک بڑا قافلہ بن جاتا تھا اس طرح متعدد چھڑیاں کسی اہم مقام پر جمع ہو جایا کرتی تھیں اور چھڑیوں کے یہ قافلے مل کر ایک ساتھ سفر کرتے تھے راستے بھر ان مذہبی زائرین کی آؤ بھگت ہوتی تھی اور چور ڈاکو بھی ان کا احترام کرتے تھے اور راستہ چھوڑ دیتے تھے، ہندوستان کے نومسلموں نے اس رسم کو حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ اور دوسرے بزرگوں کے عرس میں شرکت کے لیے اپنا لیا۔ گاؤں گاؤں سے چھڑیاں چلتیں اور زیارت کو پہنچتیں۔ اجمیر جانے والی چھڑیاں ٹھیک ۲۰ جمادی الثانی کو دہلی آجاتی ہیں اور حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ کے جانشین حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار پر مہرولی پر چھڑیوں کا میلہ لگتا

ہے اور پتوں کے دونوں میں زردہ رکھ کر نیاز دلائی جاتی ہے اور اسی چھوٹے سے دونے کو "خواجہ کی دیگ" کہتے ہیں دوسرے دن سبز رنگ کے ایک بڑے اسلامی جھنڈے کی تیادت میں یہ قافلہ جسے "خواجہ کی مہندی" کہتے ہیں، اجمیر شریف روانہ ہوتا ہے اور عرس سے پہلے وہاں پہنچ جاتا ہے راستے بھر اس قافلہ کی خاطر تواضع ہوتی ہے۔ جھنڈے کے نیچے گیت گائے جاتے ہیں جنہیں "خواجہ کے سوہلے" کہتے ہیں ریل، موٹر اور ہوائی جہاز کے اس نئے زمانہ میں بھی یہ رسم قائم ہے اور ایک چھوٹا سا قافلہ فقرار کے ساتھ آج بھی پیدل اجمیر جاتا ہے۔

کعبے کا طواف عربوں کی بہت پرانی رسم تھی جو بت پرستی کے عہد میں بھی جاری رہی۔ قرآن نے مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ کعبے کے غسل کو بھی روکا نہیں کیا گیا۔ اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پہنچا تو وہاں طواف اور غسل کی قسم کی کوئی رسم غالباً موجود نہیں تھی اس لیے وہاں کے نومسلموں نے اس کو اپنی دیسی رسم نہیں بنایا اور طواف و غسل کعبے تک محدود رہا لیکن ہندوستان میں مندر کی پرکرما اور مورتی کو اشنان کرانے کا رواج تھا۔ یہاں کے نومسلموں سے مندر اور مورتیاں چھوٹیں لیکن یہ رسم نہیں چھوٹی۔ بزرگوں کی قبروں کو گلاب کیوڑے سے غسل دینا اور ان کا طواف کرنا اور صندل و پھول چڑھانا رواج پاگیا۔ دکن کی درگاہوں میں تو عرس کی خاص رسم ہی صندل مالی کی ہوتی ہے اور اس صندل کا جلوس نکالا جاتا ہے اور مزار پر چڑھا ہوا صندل بطور تبرک استعمال ہوتا ہے لفظ صندل خود چندن کی عربی شکل ہے صندل کے محلول میں رنگ کر کپڑے کی ایک پٹی بطور تبرک زائرین کے سر پر باندھی جاتی تھی اب اس نے باقاعدہ دستار بندی کی صورت اختیار کر لی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مندر میں تبرک کے جو ٹیکے اور قشقے لگائے جاتے تھے اس کا بدل یہ صندل کی پٹی تھی۔

محرم کی عزا داری میں

فرض کی ادائیگی کسی پر احسان نہیں

تعزیوں کے جلوس کا جو طریقہ ہے وہ ہندوستانی ہے ہندوستان میں تقسیم کار کے لیے پیشہ وروں کی بہت سی برادریاں وجود میں آئی تھیں۔ ان میں سے ہر پیشے سے متعلق فنکاروں نے یہ تعزیہ بنانے میں اپنی مخصوص مہارت کی نمائش کی۔ مثلاً روئی کا تعزیہ، موم کا تعزیہ، ٹین کا تعزیہ، پیتل کا تعزیہ، مٹی کا تعزیہ، ہرے جو اور رائی کا تعزیہ، مختلف پیشوں سے متعلق صناعی کے مظاہرے ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں رائج رسوم کا اتنا اثر مسلمانوں کے ذہنوں پر رہا کہ انھوں نے اپنے بعض تاریخی واقعات کو بھی ان رسوم کی روشنی میں دیکھا۔ چنانچہ جب کربلا کا حال بیان کیا گیا اور مرثیے لکھے گئے تو ہندوستانی رسوم مثلاً مہندی کی رسم کا بھی تذکرہ آیا۔ حالانکہ یہ رسم عربوں میں نہیں تھی اور اہل بیت میں تو یقیناً نہ ہوگی۔ میر انیس وغیرہ کے مراثی میں تمام مناظر اور جذبات ہندوستانی ہیں۔

ہندو لڑکی کا حصہ چونکہ باپ کی متروکہ جائیداد میں نہ تھا اس لیے ماں باپ بھائی اور دیگر رشتہ دار مختلف بہانوں سے اس کی تلافی کرتے رہتے تھے۔ نیگ کی رسم بھی غالباً لڑکیوں کو نوازنے اور ان کو رقم دینے کے لیے ایجاد ہوئی تھی بی بی کی صحنک نے بھی مسلمانوں میں کچھ اسی طرح کی حیثیت اختیار کر لی۔ یعنی ہر تیج تیوہار کے موقع پر میکے سے لڑکی

۲۴ / اپریل ۱۹۸۱ء ۱۹

کے ہاں فاتحہ اور نیاز کا کچا سامان بہت بڑی تعداد میں سیدھے کے نام سے بھیجا جاتا ہے یہ سامان مختلف قسم کا ہوتا ہے اور فاتحہ کی ضروریات سے یقیناً بہت زیادہ ہوتا ہے اور ایک طرح سے یہ لڑکی کی امداد تیج تیوہار پر ہوتی ہے۔

شعبان کی پندرھویں تاریخ مسلمانوں میں عبادت اور قبرستان کی زیارت کے لیے مخصوص تھی۔ کچھ اس طرح کا تصور بھی تھا کہ مُردوں کی روحیں اس روز اپنے ورثا اور گھر والوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ قرآن خوانی اور خیر خیرات کے ذریعے مُردوں کو ایصال ثواب کا دستور تھا۔

نماز جنت کی کنجی ہے۔

آتش بازی اور ایصالِ ثواب کے اسلامی تصور کا ملاپ یہاں کتا گت کی ہندو رسم سے ہوا اور شب برات نے ایک تیوہار کا روپ دھار کر عجیب عجیب طرح کے خیالات اور رسوم کو جنم دیا۔ مکانات لیپے پوتے جانے لگے۔ آتش بازیاں چھوٹنے لگیں۔ اور خوشی کے ساتھ یہ وہم بھی اس میں شامل ہوگیا کہ آتش بازی کے بغیر مُردوں کی روحیں واپس نہیں جائیں گی وغیرہ۔ اس موقع پر قدیم زمانے میں جو تک بندیاں کی جاتی تھیں ان سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی ماحول نے شب برات کو کیا رنگ دے دیا تھا۔ مثلاً ایک تک بندی ہے:

"آئی شب برات
بہو ساس سے لڑی، ساس بہو سے لڑی
کوئی لیپے ہے کوئی پوتے ہے، کوئی کمہار کے کھڑی۔
کمہار سے کمہار مجھے ہنڈیا دے بڑی۔
آئیں گے میرے مُردے چھوڑیں گے پھول جھڑی۔"

جاگیرداری عہد میں مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کے پاس بے محنت کا پیسہ اور فالتو وقت بہت تھا۔ وقت گذاری کے لیے جہاں گنجفہ، شطرنج، چوسر اور پچیسی جیسے گھریلو کھیل تھے۔ وہاں نت نئی رسوم بھی ایجاد کی جاتی تھیں ہندوستان چونکہ ہمیشہ سے رسوم کا گہوارہ رہا ہے اس لیے مسلمان امرار اور جاگیردار ان بنی بنائی ایجاد شدہ رسوم کو فوراً اپنا لیتے تھے۔ بعض اوقات سماجی دباؤ اور فضاد ماحول سے متاثر ہو کر بھی انہیں اختیار کیا جاتا۔ مثلاً مردے کے : اور سوئم چالیسویں وغیرہ کے موقع پر پوری برادری کو کھانا کھلانا اور روٹی دینا — یا جس طرح پنڈت کو دچھنا دی جاتی ہے اسی طرح مرنے والے کی طرف سے پیر یا مسجد کے مولوی کو جوڑا اور رقم دینا۔

مقامی توہمات کے زیر اثر چیچک اور دوسری وباؤں کے وقت مسلمان بھی اپنے دروازوں پر آم کے پتے لٹکاتے تھے اور ٹونے ٹوٹکے کرتے تھے۔ ایک زمانے میں سیتلا دیوی کی پوجا میں مسلمان عورتوں کی ڈھکی چھپی شرکت اپنی ہندو پڑوسنوں کے ساتھ اس طرح ہونے لگی تھی کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کو اس کے خلاف مہم چلانی پڑی تھی۔ مسلمان عورتیں چیچک کی بیماری کو ماتا کہنے لگی تھیں جو سیتلا دیوی کی خوشامد کا ایک طریقہ تھا۔ بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنا ایک خاص مدت کے بعد ان کو منڈانا آج تک مروج ہے آخری دور کے مغل شہزادوں میں سے جو تخت کے امیدوار ہو سکتے تھے وہ ملکی رواج کے احترام میں ختنہ نہیں کراتے تھے۔

ہولی، دسہرہ خالص ہندو تیوہار ہیں۔ اکبر کے زمانہ میں ان کا محل میں رواج ہوا اور پھر رعیت نے بھی کثیر تعداد میں اسے بلا تکلف اختیار کر لیا۔ اور جنہوں نے اختیار نہیں کیا ان کے یہاں ان کی تمثیلیں اور کہاوتیں اس طرح لٹریچر اور گفتگو کے تانے بانے بن گئیں کہ بالکل مسلمانوں کی چیزیں معلوم ہونے لگیں خاص نعت کے شعروں میں "بانسری" کا ذکر آیا ہولی کے گیت قوالی میں گائے جانے لگے . . . .

آؤ رے چشتیو، ہولی کھیلو
خواجہ پیا مورے آنگن آئے

تیس چالیس برس پہلے تک دہلی کے مسلمانوں میں یہ رسم تھی کہ یوپی خاص کر لکھنو کی طرف بھی اس کا رواج تھا کہ دسہرے سے دس دن پہلے محلے اور گاؤں کے ہریجن مٹی کا ایک چھوٹا سا پتلا بناتے تھے اور اسے تین لکڑیوں کے اسٹینڈ پر کھڑا کر کے "ٹیسو" نام دھرتے تھے۔ یہ ٹیسو روزانہ دس دن تک شام کے وقت مسلمان گھروں میں جاتا تھا اور

اس کے سامنے گیت گائے جاتے تھے اور ٹُک بندیاں ہوتی تھیں ۔ یہ ٹک بندیاں اور گیت عام طور پر مذہبی نہیں ہوتے تھے اسی لیے ثقہ لوگ بھی ان پر اعتراض نہیں کرتے تھے بلکہ کسی مجبوری سے ٹیسو والے ناغہ کر جاتے تھے اور دوسرے دن شکایت اور تقاضا ہوتا تھا ۔ ٹیسو کے سامنے لحن سے پڑھی جانے والی ٹُک بندیوں میں تاریخ ، جغرافیہ ، مقامی سیاست ، سب کچھ زیر بحث آتا تھا ۔ اور مخالف دھڑے گاؤں کے ، ایک دوسرے کی ہجو ان ٹک بندیوں میں کراتے تھے ۔ ۱۸۵۷ء کے حالات بھی عرصے تک ان میں بیان کئے جاتے رہے ۔ مثلاً ایک ٹک بندی تھی :-

پنجاب سے آئے پانچ سوار
جیٹھ مہینہ دن اتوار
پانچوں نے آکر کیا جو غل سمہ جا پہنچے
جمنا کے پل ـــ جمنا کے پل پر بٹی تھی
روئی ـــ واں کے لٹ گئے سارے دھوبی
ـــ دھوبی لٹے تو سیجی جان ـــ چوک
میں لٹ گئیں چار دوکان ـــ دوکان لٹی
تو مچی دہائی ـــ خیر صاحب سٹین پر آئی
ـــ سٹین نے تو یہی کہی ـــ میرے بس
کی نار ہی ـــ کالے نے بولی بولی ـــ
سٹین کے مارو بولی ـــ گولی لگتے ہی
ہو گیا لیٹ ـــ سٹین کی میم کا پھوٹا
پیٹ ـــ پیٹ پھوٹتے ہی پکڑی
چھاتی ـــ سب دنیا مطلب کی بالنسی !

ٹیسو کے گیت دسہرے کے موقع پر لڑکے بالے گاتے ہیں ان کے ساتھ جھانجی والیاں آتی ہیں ۔ جھانجی مٹی کی ہانڈی ہوتی تھی جس میں بہت سے چھید کرکے اندر دیا جلایا جاتا تھا اور اُسے سر پر رکھ کر رقص کیا جاتا تھا ۔ کمال یہ ہوتا تھا کہ انتہائی تیز رقص کے باوجود دیا نہ بجھنے نہ پائے ۔ ہانڈی کے سوراخوں میں سے دئیے کی روشنی بھلی معلوم ہوتی تھی ۔ جھانجیاں دس روز تک لڑکیاں لے کر آتی تھیں اور زنانے میں دعائیہ گیت گاتی تھیں ۔

بسنت کا موسمی تیوہار ہندوستان کے مسلمانوں میں آج بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے ۔ اور روایت یہ ہے کہ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے چہیتے اور جوان صالح بھانجے کی ناوقت موت کے بعد بہت رنجیدہ رہا کرتے تھے حضرت امیر خسروؒ نے ان کا دل بہلانے اور خوش کرنے کی یہ ترکیب نکالی کہ بسنت کے دن سرسوں کے پھول لے کر آئے اور پیر و مرشد کے قدموں میں رکھ کر جھومنے لگے اور بولے ؎

عرب یار توری بسنت منائی ۔

ہندو اپنے بت پر پھول چڑھانے جا رہے ہیں ۔ میں اپنے صنم کی نذر کرنے کے لیے پھول لایا ہوں اور پھر یہ شعر گانے لگے :-

اشک ریز آمدند ابر و بہار
ساقیا گل بریز د بادہ بہار

اس دن سے آج تک ہندوستان کی چشتی درگاہوں میں یہ رواج ہے ۔ کہ بسنت کے دن ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بھی بسنتی کپڑے پہنتے ہیں یا کم از کم ایک بسنتی رنگ کا رومال ضرور پاس رکھتے ہیں اور سرسوں کے پھول ہاتھوں میں لیے گاتے بجاتے جلوس کی شکل میں بزرگوں کے مزارات پر جاتے ہیں اور پھول چڑھانے کے بعد وہاں قوالی ہوتی ہے بہت سے شعراء نے اس موقع پر گانے کے لیے شعر کہے ہیں ۔ حضرت امیر خسروؒ کے علاوہ حضرت شاہ نیازؒ بریلوی اور بہادر شاہ ظفر کی کہی ہوئی بسنت کی چیزیں خاص طور پر مقبول ہیں ۔

دو تہذیبوں کے ملنے سے ہندوستان میں ایک دلچسپ صورت حال ہے ایک طرف بعض ہندو بزرگوں کو نئی نسل سے شکایت پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ کہ ؎

رام جی نے بیٹا دیا وہ بھی مسلمان کا
پوری کچوری کھاتا نئیں ہے ٹکڑا مانگے نان کا

اور دوسری طرف مسلمان ، نان چھوڑ کر پوری کچوری کی ورائٹی سے اپنے دسترخوان سجا رہے ہیں ۔ شمالی ہندوستان خاصکر دہلی کے مسلمان گھروں میں عید کے دن خستہ کچوریاں بھی اتنی ہی ضروری اور اہم سمجھی جاتی ہیں جتنی سوّیاں اور شیر خرما ۔ دسترخوان پر الگ الگ پلیٹوں میں کھانا بھی مسلمانوں کو شاید ہندوستان ہی کی دین ہے یہاں تو الگ الگ کھانے کی ضرورت اُونچ نیچ اور چھوت چھات کے تصور سے تھی لیکن مسلمانوں نے اسے ایک نفاست کے طور پر اپنایا ـــ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن نے ہمیں کھلی چھٹی دے دی ہے ـــ چاہے الگ کھائیں چاہے مل کر کھائیں ۔ اگر سالن سوکھا ہو تو مل کر کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن شوربے دار سالن میں سب کا ایک ساتھ انگلیاں ڈالنا کراہت پیدا کرتا ہے ۔

عربوں میں نمک کو ابو الفتح یعنی ابتدا اور پہل کرنے والی چیز اور لوٹے اور طشت کو ابو الیاس کہتے تھے یعنی یہ مایوسی کی علامت ہے اس کے بعد کھانے کی کوئی چیز نہیں لائی جائے گی ۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہندوستانیوں کا ابو الیاس پان ہے کہ اس کو سب سے آخر میں پیش کرتے ہیں ۔ مسلمانوں نے پان سے متعلق ہندوستانی رسموں کو جس بڑے پیمانے پر اختیار کیا غالباً کسی رسم کے سلسلہ میں یہ کیفیت نہیں رہی ۔ دکن میں آج بھی یہ طریقہ ہے کہ مہمان کو آتے ہی پان نہیں دیا جاتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بس ! مہمان نوازی تمام ہوئی ۔ اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں ۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ مرید ہونے کی نیت سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس آئے تھے لیکن حضرت نے ان کے لیے فوراً پان منگوایا اور اس سے شیخ منیری نے یہ نتیجہ نکالا ۔ کہ حضرت نے میری بیعت قبول نہیں کی اور رخصت کا حکم دے دیا ۔

بیڑا اٹھانے ، کل کے لیے پان بنانے اور اپنی یاد دلانے کی کہاوتیں اور لگاوٹیں مسلمانوں کی تہذیب اور لٹریچر کی جان ہیں شادی غمی ہر موقع پر پان کا استعمال ہوتا ہے ۔ شادی بیاہ کے موقع پر دو گھرانوں میں جو لین دین ہوتا ہے وہ پان کے بغیر مکمّل نہیں سمجھا جاتا ۔ رشتہ مانگنے جاتے ہیں تو مٹھائی کے ساتھ پان ضرور ہوتے ہیں اور اگر سامنے والے نے پان رکھ لیے تو یہ امید افزا علامت ہوتی ہے ۔ نو مولود کو دیکھنے جاتے ہیں تب بھی پان لیجاتے ہیں ۔ قبرستان سے گھر واپس آتے ہیں تب بھی اکثر جگہ میّت کا وارث پان ہاتھ میں لے کر اپنی چوکھٹ پر قدم رکھتا ہے کہ یہ آبادی اور ہرے بھرے رہنے کی نشانی سمجھا جاتا ہے ۔

ایام عزاء میں بہت سے لوگ پان چھوڑ دیتے ہیں اور پان کی طلب دھنئے کی بُھنی ہوئی گری ، خربوزے کے بیجوں اور کترے ہوئے کھوپرے سے تیار کردہ کوٹے سے پوری کرتے ہیں ۔ سچ پوچھئے تو پان نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک طرح کا تقدس حاصل کر لیا ہے اور یہ برگ سبز تحفۂ درویش بن گیا ہے ۔ سماع کی محفلوں میں کھانا پینا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن کلّے میں گلوری دبی ہوئی ہو تو زیادہ اعتراض نہیں ہوتا ۔ نئے لوگوں میں بیڑی سگریٹ پان ہی کا قائم مقام ہیں لیکن بزرگوں کے سامنے بیڑی سگریٹ پینا بُرا سمجھا جاتا ہے ۔ پان کھانا بُرا نہیں سمجھا جاتا ۔ ہمارے علماء کرام میں پان مقبول نہ ہوتا تو تمباکو بھی ان کے منہ نہ چڑھتا ۔

لباس میں دھوتی یا تہ بند کا رواج ہندوستان کے طول و عرض میں ہے اور ہر مذہب کے ماننے والوں میں ہے بالکل شمال اور بالکل جنوب میں اس کو باندھنے کی وضع کم و بیش ویسی ہی ہے جیسی دوسرے اسلامی ممالک میں پائی جاتی ہے لیکن ان ممالک میں شلوار اور پاجامے اور نیچی قباؤں کا رواج بھی ہے اور تہ بند گھریلو سہولت کا لباس زیادہ تر ہے اس لیے اس کو باندھنے کی وضع بھی ایسی ہے کہ صرف فرصت میں مفید ہو سکتی ہے ۔ بھاگ دوڑ کی زندگی میں سارے کام اس سے سہولت کے ساتھ نہیں ہو سکتے اس لیے ہندوستان کے ان علاقوں کے مسلمانوں نے جہاں شلوار پاجامے کا رواج نہیں تھا دھوتی بالکل ہندوانی وضع پر باندھی کیونکہ اس سے کام کاج میں آسانی ہوتی تھی ۔ خاص کر قدیم زمانے میں گھوڑے کی سواری اور موجودہ دور میں سائیکل کی سواری میں سہولت رہتی ہے ۔ ساڑھی کا رواج بھی جو خالص ہندوستانی لباس ہے ـــ ہندوستانی مسلمانوں میں بہت زیادہ ہے ۔

عجیب بات ہے کہ آج کل جب کہ قومی دھارے کا بہت شور ہے ، گنگا الٹی بہنے لگی ہے اور مسلمانوں کی اکثریت ہندوستانی رسم و رواج سے چونکتی ہے اور پرہیز کی مہم بھی کچھ عرصہ سے چل رہی ہے حالانکہ اس زمانہ میں جب کہ مسلمان جزو کل کے مختار تھے یک جہتی کا عمل بڑی تیزی سے جاری تھا ۔ مسلمان عورتوں نے

اسلامی قمری مہینوں کے عربی نام تک بدل دیئے تھے اور اپنی سہولت اور آسانی کے لیے صَفر کا نام تیرہ تیزی، ربیع الاوّل کا نام بارہ وفات، ربیع الثانی کا نام میراں جی۔ جمادی الاوّل کا مدار، جمادیُ الثانی کا خواجہ معین الدین، شعبان کا شبِ براۃ شوال کا عید، ذیقعدہ کا خالی اور ذی الحجہ کا بقرعید رکھ لیا تھا اور آج بھی عورتوں میں یہی نام مقبول ہیں اور زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ محرم، رجب اور رمضان کے نام بدلنے کی ضرورت اس لیے نہ سمجھی گئی کہ ان مہینوں میں جو رسوم ہوتی ہیں ان کی نمائندگی بڑی حد تک ان ناموں سے ہو جاتی ہے۔

قدیم زمانے میں پڑھے لکھے امراء کے طبقے اور اہلِ علم دیندار لوگوں میں بھی امیر چھجو اور بی بی مانی پسندیدہ نام تھے اب اس طرح کے نام دیہاتی اور ان پڑھ دین سے کم واقف مسلمانوں کا حصہ رہ گئے ہیں۔ پہلے مسجدوں کی تعمیر میں ہندو کاریگروں کو اپنے فن کے مظاہرے کی پوری اجازت دی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے آسائش اور ضرورت میں خلل پڑتا تھا۔ جیسے کہ احمد آباد کی جامع مسجد کہ اس میں ہندو طرز کے ستون اس طرح قائم کئے گئے ہیں کہ صف بندی اور ستون کے سامنے سجدہ کرنے میں سخت دشواری ہوتی ہے لیکن اسے گوارا کیا جاتا تھا بعض مسجدوں کے کتبے عربی فارسی کی بجائے سنسکرت اور دیگر مقامی زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ برہان پور کی عالیشان جامع مسجد کے سنسکرت کتبے اس کا ایک خوبصورت نمونہ ہیں۔

مسجدوں کے تین گنبد جہاں حسنِ توازن کا نمونہ پیش کرتے ہیں اور درمیان کے گنبد کی پیل روکتے ہیں۔ وہیں ترشول اور مندروں کی تین مروجہ گمٹیوں کو بھی یاد دلاتے ہیں مسلم عمارتوں میں کنگورے دار محراب بھی ہندوستانی اثرات کے تحت وجود میں آئی۔

نماز قائم کرو

سلطان محمد غوری کے زمانے کے بعض سکّے ایسے دریافت ہوئے ہیں جن پر عبارت ہندی میں ہے اور مزیداری یہ کہ سلطان کے ساتھ پرتھوی راج کا نام بھی درج ہے یہ سکّے غالباً دو جنگوں کے درمیان کے زمانہ میں ڈھالے گئے ہوں گے۔

شادی غمی، کی رسموں میں سے چند نمایاں رسمیں یہ ہیں کہ ہندوؤں میں تیسرے دن مرگھٹ سے راکھ اور ہڈیاں چنی جاتی ہیں اور انہیں پھول چننا کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں سوئم کی فاتحہ اور قرآن خوانی بھی پھول سے موسوم ہوئی خان آرزو نے کہا تھا ؎

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

اس دن پھولوں کی چادر اور صندل زعفران وغیرہ سے مرکب خوشبو قبر پر بھیجنا ضروری قرار پایا۔ تیجے کے روز فاتحہ کے بعد پھولوں سے بھری رکابی اور صندل زعفران کی خوشبو کا پیالہ مجلس کے تمام شرکاء کے سامنے لایا جاتا ہے اور ہر شخص ایک ایک پھول قُلْ ھُوَ اللہ پڑھ کر خوشبو کے پیالے میں ڈال دیتا ہے اور یہ خوشبو پھولوں کے ساتھ قبر کی مٹی میں سرہانے کے رخ دفن کر دی جاتی ہے۔

لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد مونچھوں کو صندل لگانا اور مونچھوں کے کونڈے کرنا، ایامِ حمل میں ہونے والی ماں کی گود ترکاری اور میووں سے بھرنا، بچے کی پیدائش کے بعد زچہ گیریاں گانا جن میں زیادہ تر کرشن جی کے جنم کی مناسبت کے گیت ہوتے ہیں۔ زچگی کے چھ دن بعد چھٹی چھوچھک کی رسم کرنا جس میں زچہ بچہ غسل کرتے ہیں اور لڑکی کے میکے سے بچے کے لیے اور سمدھیانے والوں کے لیے تحائف آتے ہیں۔ سب ہندوستانی رسمیں ہیں۔

شادی بیاہ کی تمام رسمیں ہندوستانی اثر سے بھری پڑی ہیں اور یہ اتنی کثرت سے ہیں اور ہندوستان کے علاقے علاقے میں ان کے اندر اتنا تنوّع ہے کہ اس کے تذکرے کے لیے شاید ایک علیحدہ مضمون یا علیحدہ کتاب کی ضرورت ہو اس لیے ان کی طرف صرف اشارہ کرنا کافی ہوگا اسلام میں تو شادی صرف ایجاب و قبول ہے باقی جو کچھ ہے سب عجمی، خاص کر ہندوستانی ہے۔ شادی سے پہلے منگنی، پھر بیاہ مانگنا، مائیوں بٹھانا، ابٹن کھیلنا، برات کو روک کر نیگ مانگنا۔ شادی

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

یادِ رفتگاں

قسط نمبر ۲

محمد طیّب کشمیری

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جامع مسجد عباس پور

اسی شہر عباس پور میں ایک نہایت خوبصورت مسجد بھی حضرت مفتی قاسمی صاحب حضرت مولانا مفتی عبدالمتین مدظلہ اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق صوبائی مفتی کے باہمی اشتراک و تعاون اور مساعی جمیلہ سے تکمیل پذیر ہوئی جو دیدہ زیب ہے۔

محکمہ افتاء کا خاتمہ اور علماء کی مساعی سے دوبارہ بحالی

سردار ابراہیم خاں کے دور حکومت میں بعض نامعلوم وجوہ کی بناپر اس محکمہ کے ختم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس کی دوبارہ بحالی کے لیے دیگر علماء دیوبند کے ساتھ حضرت مفتی صاحب بھی پیش پیش تھے۔ علماء دیوبند کی مساعی کی وجہ سے حکومت کو پھر اس محکمہ کو بحال کرنا پڑا اور لادین اور ملحد طبقہ منہ دیکھتا رہ گیا۔

عائلی قوانین کے نفاذ پر علماء کا ردِّ عمل

مسٹر کے ایچ خورشید کے دور حکومت میں خاندانی منصوبہ بندی اور ایوبی دور کے عائلی قوانین کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا اس پر جمعیۃ علماء آزاد جموں و کشمیر نے سخت مخالفت کی۔ ان دنوں مسٹر کے ایچ خورشید ضلع پونچھ کے دورہ پر گئے ان دنوں علماء دیوبند نے پورے پروگرام اور منصوبے کے ساتھ یہ کام کیا کہ مسٹر خورشید جہاں جاتے علماء ان کے سامنے ان غیر اسلامی قوانین کے کالعدم کرنے کا مطالبہ کرتے۔ اور بڑے بڑے جلسوں سے خورشید کی موجودگی میں اپنے موقف کی حمایت حاصل کرتے۔ چنانچہ پنڈری، راولاکوٹ، ہجیرہ، باغ اور دیگر شہروں میں بھی علماء دیوبند نے صدر حکومت کے سامنے اپنا موقف پیش کیا اور ان قوانین کی سختی سے مخالفت کی اس پروگرام میں بھی حضرت مفتی صاحب نے اپنے رفقاء کے ساتھ انتھک جدوجہد کی جس کی وجہ سے مجبور ہو کر مسٹر کے ایچ خورشید کو ان قوانین کو کالعدم قرار دینا پڑا اور علماء دیوبند کو ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

اسلامی ممالک کا دورہ

حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۷۱ء میں بذریعہ کار افغانستان، ایران، عراق، کویت اور سعودی عرب کا دورہ کیا اور پہلی مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ حرمین اور دوسرے مقامات میں عربی، فارسی اور اردو زبان میں بڑے موثر وعظ فرمائے۔

لاہور سربراہی کانفرنس میں

حکومت پاکستان نے جب لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کرنا چاہی تو حضرت مفتی صاحب کی بھی تین ماہ کے لیے خدمات حاصل کی گئیں اس موقعہ پر جو تاریخی جمعہ بادشاہی مسجد لاہور میں پڑھا گیا جس میں تمام اسلامی ممالک کے سربراہ اور عمائد شریک تھے اس تاریخی اجتماع میں حضرت مفتی صاحب نے بھی پندرہ منٹ تقریر کی حضرت مفتی صاحب نے عرب رہنماؤں کے ساتھ بحیثیت ترجمان کے بھی خدمات انجام دیں۔

پاکستان میں رہائش

کوئی آٹھ سال کا عرصہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب آزاد کشمیر سے فیصل آباد منتقل ہو گئے وہیں ایک مکان خرید کر رہائش اختیار کر لی اور وہیں کارخانہ بازار کے

مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض کے ساتھ درس وتدریس اور تبلیغ اسلام کا ایک وسیع سلسلہ شروع کر دیا۔

سفرِ ہند

۲۱، ۲۲، ۲۳ رمارچ سنہ ۱۹۸۰ء کو دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ تقریبات میں حضرت مفتی صاحب بھی مدعو تھے آپ بھی اپنے دوسرے رفقار کی طرح ان تقریبات میں شریک ہوئے۔ قیام دیوبند کے دوران دارالعلوم کی مسجد میں بعد نماز فجر آپ ہی کا درس ہوتا تھا۔

جمعیۃ علماء جموں وکشمیر کا قیام

اسی قیام دارالعلوم کے دوران مقبوضہ کشمیر کے علمار کا ایک اجلاس مفتی صاحب ہی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں "جمعیۃ علماء جموں وکشمیر" کے نام سے مقبوضہ کشمیر کے علمار کی واحد نمائندہ جماعت کی بنیاد ڈالی گئی جس کے صدر مولانا عبدالغنی ازہری اور جنرل سیکرٹری مولانا غلام قادر منتخب ہوئے۔

مزارات پر حاضری

اس سفرِ ہند کے دوران حضرت مفتی صاحب مظفر نگر، نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، میرٹھ، پھلت شریف اور دہلی بھی گئے۔ جہاں بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دی۔ اسی دوران شاہی مسجد کے خطیب امام جناب عبد اللہ بخاری سے بھی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کھانا بھی تناول فرمایا۔

آزاد کشمیر کا آخری سفر

گذشتہ سال ۱۳ رجون کو دھیر کوٹ کے قریب ٹھٹھار کوٹ کی ایک مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران غنڈوں کی ایک جماعت نے مسجد کی بےحرمتی کرتے ہوئے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہوکر مولانا امیرالزماں خاں پر حملہ کرکے شدید زخمی کر دیا۔ حملہ آوروں کا تعلق آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس، آزاد کشمیر پیپلز پارٹی اور لبریشن لیگ سے تھا ان حملہ آوروں نے قرآن پاک کو جو مولانا کے ہاتھ میں تھا۔ چھین کر جوتے مارے، مسجد کی توہین کی۔ قرآن پاک کی خوب خوب بے حرمتی کی لیکن ان مذکورہ جماعتوں نے اس واقعہ میں ملوث حملہ آوروں کی مذمت کرنے کی بجائے علمار کے مقابلہ میں سہ جماعتی اتحاد قائم کیا پھر ان تینوں جماعتوں کے لیڈروں نے خاص کر سردار عبدالقیوم خاں نے باغ کے ایک جلسۂ عام میں علمار کی جو توہین وتحقیر کی اور جو بازاری زبان استعمال کی اس سے ان کے مکروہ عزائم معلوم کئے جا سکتے ہیں اس حملہ میں مولانا امیرالزمان شدید زخمی ہو گئے۔ ان کے سر ناک، کان اور دونوں آنکھوں پر زبردست چوٹیں آئیں جس کی وجہ سے مولانا کی دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ـــــ اس دردناک اور المناک واقعہ اور حادثہ کی خبر جب حضرت مفتی صاحب نے سنی تو اسی وقت عازم کشمیر ہوئے انہوں نے باغ، ہاڑی گہل، بیس بگلہ، جنگلڑی اور دیگر مقامات پر جلسوں سے خطاب کیا، مجرموں، حملہ آوروں، مسجد اور قرآن پاک کی بےحرمتی کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ دورے کے آخر میں مفتی صاحب مظفر آباد تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے سب سے پہلے اپنے دیرینہ رفیق مولانا امیرالزمان خان کی C.M.H. میں عیادت کی۔ پھر چیف سیکرٹری سے اس سلسلہ میں ملاقات کی اس کے علاوہ دیگر دوست واحباب سے بھی ملے۔ مظفر آباد میں دو دن قیام کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب واپس فیصل آباد تشریف لائے اور پھر واپس کشمیر نہ جاسکے گویا یہ ان کا آخری سفر تھا۔ کہ اس سفر میں اپنے ساتھیوں سے بھی ملے۔ تقاریر کے ذریعے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور حکومت کو زبردست طریق سے جھنجھوڑا اور ۲۲ر دسمبر کو مفتی صاحب نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

اولاد

حضرت مفتی صاحب کی دو لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں۔ دونوں لڑکیاں شادی شدہ ہیں۔ اس وقت بڑا لڑکا خواجہ عزیزالرحمن اور سب سے چھوٹا لڑکا خواجہ سلیم محمود گھر پر ہیں جبکہ خواجہ نسیم محمود جدہ میں ملازم ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام بہن بھائیوں اور ان کی والدہ محترمہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

مفتی صاحب کی وفات پر مولانا محمد یوسف کے تاثرات

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید قاسمی کی وفات حسرت آیات پر پورے آزاد کشمیر میں تعزیتی اجلاس ہوئے، قرآن خوانی ہوئی اور علمار نے اپنے اپنے انداز میں رنج وغم کا اظہار بھی کیا اور حضرت مفتی صاحب کے لیے دعائے رحمت بھی کی گئیں اس سلسلہ میں اختصار کے پیش نظر اس وقت ان کے دیرینہ دوست اور رفیق اور راقم الحروف کے مشفق استاد حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری کے تاثرات ہدیہ ناظرین ہیں، جو انہوں نے راقم الحروف کے نام ایک گرامی میں تحریر فرمائے ہیں۔

"مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی کی وفات نے تو مجھے ہکا بکا کر دیا ہے کیونکہ ۴۵ سال سے رفاقت تھی اس طویل رفاقت میں کبھی شکایت کا موقع پیدا نہیں ہوا، الفت محبت کا وہ پیکر، اخلاص وعمل کا مجسمہ کردار وگفتار کا مجاہد، مسلک کا جاں نثار شعلہ بار مقرر، مایہ ناز خطیب، فکر وشعور کا پختہ، اسلاف کا عقیدتمند، رفیقوں کا ہمنوا، عزیزوں کا سہارا، کہوں کیا؟ عبدالحمید کیا تھا جب بھی اس کو پکارا حاضر پایا جہاں بلایا موجود پایا اور جو کہا کر دکھایا۔ اب دنیا سے چلا گیا، ہم سے روٹھ گیا۔ بتایا بھی نہیں کہ جہان رنگ وبو کو چھوڑ کر جا رہا ہوں الوداعی سلام تو کہہ دیتے

نہ جانے تھے اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہونگے\
سنتے گو چلے آتے تھے کہ ایک دن جانا ہے جانی

اب ہماری محفلوں کو رونق کون بخشے گا۔ سالانہ جلسوں کی کامیابیوں کے لیے دلکش اذانیں کون دکھائے گا۔ اور اب کون ہے جو جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہے گا۔

ما کان قیس هلکه هلک واحد\
ولکنه بنیان قوم تهدما"

(۸ رفروری سنہ ۱۹۸۱ء کا گرامی نامہ)

حضرت مولانا امیرالزماں خاں کے تاثرات

امیر جمعیت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری کی طرح حضرت مولانا امیرالزمان خان نے بھی حضرت مفتی عبدالحمید صاحب قاسمی کی وفات پر جن تاثرات کا اظہار فرمایا۔ وہ ہدیہ قارئین ہیں۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حادثہ جانکاہ پر ہم اپنے کن تاثرات کا اظہار کریں مولانا مفتی عبدالحمید قاسمی ایک عالم بے بدل اور مفتی بے نظیر تھے جو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے قلم کو یارا نہیں کہ اس جانشین پیغمبرؐ کی جدائی پر ماتم سرا ہو، دل مغموم ہے روح بے چین ہے، آنکھیں اشکبار ہیں اور جذبات کی کل کائنات درہم برہم ہے۔ مفتی صاحب کی وفات کشمیری عوام کا ایک ایسا حادثہ ہے جس کے بعد مسلمانانِ کشمیر کے دل رنج وغم سے معمور ہو گئے۔ ان کی نظروں اور ان کے دل ودماغ پر الم واندوہ کی گھٹائیں چھا گئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی ذات لوگوں کی دنیا وعقبیٰ کے لیے ایک مشعل راہ تھی جو بجھ گئی علم وعمل کا ایک آفتاب تھا جو غروب ہو گیا۔ دین ومذہب کا ایک مجسم پیغام تھا جو ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ حق ومعرفت کی ایک آواز تھی جو اب کبھی نہیں سنی جائے گی بساطِ سیاست کا ایک رہنما تھا جو دنیا سے اٹھ گیا اسلام کا ایک علمبردار تھا جو ہم میں نہیں رہا کشمیر کی تاریخ کا ایک باب تھا جو ختم ہو گیا۔ قصرِ حریت کا معمار تھا جس نے تکمیل قصر میں حصہ لیا۔

مفتی صاحب کی زندگی ملک وملت کے لیے ایک سرمایہ تھی۔ انہوں نے پوری زندگی ایک سپہ سالار کی حیثیت سے گزاری۔ انہوں نے اپنی تمام عمر بے لوثی کے ساتھ ملک وملت کی خدمت میں بسر کی۔ ان کا ایک ایک قدم اور ہر فعل تعلیماتِ اسلام کا آئینہ دار تھا۔ تحریک آزادی کشمیر اور جمعیت کی رہنمائی میں جس جرأت واستقامت اور فہم وفراست کا ثبوت دیا۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بہر حال حقیقت تو یہ ہے کہ مفتی صاحب کی وفات اور جدائی نے ہم جمعیت کے خدام کی کمر توڑ دی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حَلَفَ الزَّمَانُ لَیَاْتِیَنَّ بِمِثْلِہٖ\
حَنِثَتْ یَمِیْنُکَ یَا زَمَانُ فَکَفِّرِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے رحم وکرم اور چشم پوشی کا سلوک کریں اور انہیں اعلیٰ علیین میں اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

از قلم : حضرت مولانا انوار الحسن صاحب دیوبند

حق و باطل کی کشمکش

لاکھوں برس کی بوڑھی دنیا جو ایک خاص نہج پر چل رہی ہے۔ اس دنیا کا قانون اور اس عالم ناسوت کا دیکھا بھالا دستور ہی یہ ہے کہ ادھر رات ہے تو ادھر دن، ابھی تاریکی ہے تو ابھی اجالا، یہاں خشکی ہے تو وہاں تری، سورج کو دیکھو تو کبھی مشرق میں ہے کبھی مغرب میں، چاند کو دیکھو تو کبھی چھوٹا ہے اور کبھی بڑا، اوقات کو دیکھو تو کبھی صبح ہے کبھی شام، رات کو دیکھو تو کبھی چاندنی ہے کبھی اندھیری۔ موسم کو دیکھو تو کبھی سردی ہے کبھی گرمی، کبھی برسات ہے کبھی بہار اور خزاں کا زمانہ آیا تو ساری بہار رخصت، نباتات کو دیکھو تو کبھی تخم ہے کبھی جڑ، کبھی تنا ہے، کبھی ڈال، کبھی پھول ہے کبھی پھل، کبھی سرسبز و شاداب ہے اور کبھی ایندھن۔ انفس میں دیکھو تو کبھی صحت ہے کبھی بیماری، کبھی نیند ہے اور کبھی بیداری، کبھی غصہ ہے کبھی ہنسی، کبھی غم ہے کبھی مسرت، عجیب معاملہ ہے کہ کھاد جیسی غلیظ چیز کی مدد سے تمام پھل اور غلہ جات نشو و نما پاکر انسانی غذا بن جاتے ہیں اور پھر یہی غذا معدے میں پہنچ کر اور پھر براحل فضلہ کی صورت میں خارج ہوکر بالآخر کھاد ہی بن جاتی ہے اور اس سے عجیب تر یہ کہ ایک چیز جو پشت پدر بشکل جوہر انسانی پوشیدہ تھی رحم مادر میں منتقل ہوکر جنین کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور پھر کچھ دن کے بعد انسانی بچہ کی موہنی شکل میں اپنے سرپرستوں کو مسرور کرنے کے لیے عالم ناسوت میں نمودار ہو کر لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے ملک عدم کی طرف رحلت کرکے پسماندگان کو داغِ مفارقت دے جاتی ہے اور پھر برزخ سے واسطہ ہے اور اس کے بعد حشر و نشر کا معاملہ۔

من ایِّ شیئٍ خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہٗ ثم السّبیل یسرہٗ ثم اماتہ فاقبرہٗ ثم اذا شاء انشرہ (پارہ ۳۰ ۔ سورہ عبس)

ترجمہ: معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے۔ اس کو پیدا کیا (رحم مادر میں) پھر ایک اندازتک اس کو بڑھایا۔ پھر دنیا میں آنے کے لیے اس کا راستہ آسان کیا پھر اس کو موت دی۔ پھر اس کو قبر میں پہنچایا پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر دے گا۔

غرض پے در پے تغیّرات ہی تغیّرات ہیں اور یہی تغیّرات اس امر کی دلیل ہیں کہ دنیا کی کوئی حالت بلکہ کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں، فانی ہے۔

العالم متغیّر و کل متغیر حادث فالعالم حادثٌ۔

ترجمہ: سارا عالم تغیر پذیر ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ اپنی کسی حالت پر نہ ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گی لہذا یہ سارا عالم نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا فانی ہے۔

یہ تغیر انقلابات جس طرح اس عالم کے فانی ہونے پر شاہد ہیں اسی طرح اس عالم کی رونق بھی ان ہی انقلابات و تغیرات کی رہینِ منت ہے پھر جس طرح یہ عالم ناسوت تغیر و انقلابات کا گہوارا ہے اور لمحہ بہ لمحہ ایک حالت سے دوسری اور تیسری حالت میں بدلتے رہنے کا عادی ہے اسی طرح اضداد کی آماجگاہ بھی ہے۔

چنانچہ وجودِ عدم، زندگی و موت، مصیبت اور راحت جنگ و امن، مخالفت و محبت، عداوت و مودّت، رحم و ظلم، مفلسی و امارت، شادی غمی یہ سب ایسی متضاد چیزیں ہیں جن سے یہ عالم رنگ و بو بھرپور ہے اور انہی انقلابات و تغیرات اور اجتماع اضداد سے اس عالم کی رونق ہے۔ اگر یہ تغیّرات و انقلابات اور اجتماع اضداد نہ ہوں تو یہ عالم رنگ و بو درحقیقت عالم بے رنگ و بود رہ جائے۔ ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب انقلاب سے

ایک حالت بدل کر جب دوسری حالت طاری ہوتی ہے تو اس کے حُسن و قبیح سے واسطہ پڑنے کے بعد پہلی حالت کے حسن و قبیح کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور جب تک اشیاء کے دونوں رُخ سامنے نہ ہوں کسی شے کی اصلی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ غور کر لو کہ دن بھر کاموں میں مصروف رہنے کے بعد ہی شب کی راحت کا حقیقی لُطف آسکتا ہے جس نے کبھی محنت و مصیبت نہ اُٹھائی ہو اس کو راحت کی کیا قدر ہوسکتی ہے۔ تاریکی کی بھیانک اور ڈراؤنی صورت ہی دیکھ کر روشنی کے روشن چہرے کی قدر و منزلت ہوسکتی ہے۔ آنکھوں سے محروم ہونے کے بعد ہی آنکھوں کا نعمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ امارت کے بعد جب مفلسی آتی ہے تب امارت کی قدر معلوم ہوتی ہے "قدر و نعمت بعد زوال" مشہور مقولہ ہے اپنی جگہ پر درست ہے غرض ہر چیز کی حقیقت کا علم اور اس کی قدر و منزلت اسی وقت ہوتی ہے جب کہ اس کی ضد سے واسطہ پڑا ہو۔ وبضدھا تتبین الاشیاء اپنی ضد سے اشیاء کی حقیقت کھلتی ہے۔

تعرف الاشیاء باضدادھا۔

ترجمہ: سب چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اگر ہمیشہ روشنی ہی رہے۔ تو لطف روشنی جاتا رہے۔ نہ گرمی کی گرم بازاری ہمیشہ کے لیے بہتر نہ سردی کی برف باری ہمیشہ کے لیے قابلِ برداشت، نہ برسات میں پورے سال بھیگتے رہنے کی ہمت، نہ خزاں کے بغیر بہار کا لطف موسم کے بدلنے سدلنے ہی میں لطفِ زندگی ہے۔

سردی، گرمی، بہار، برسات
ہر رت کا نیا سماں نئی بات

بہرحال ہر چیز کی اچھائی یا برائی کا صحیح اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں اس کی ضد کا مشاہدہ ہو چکا ہو پھر یہ تغیرات و انقلاب جس طرح فنا کا درس دے رہے ہیں اور جس طرح لطف گوناگوں کا باعث بنے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں عبرتیں بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

یہ اجتماع اضداد اور تغیر انقلاب اشیاء کے الوان و صور ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ اخلاق و عادات بھی اس کشمکش کے زیرنگیں ہیں۔ چنانچہ صدق، کذب مدح، ذم، رحم و ظلم، سعادت و شقاوت، سخاوت و بخل شرافت و دنائت بہادری و بزدلی امانت و خیانت ایک دوسری کے مقابلہ میں موجود ہیں۔

الغرض یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ یہ عالم تغیرات و انقلابات سے بھرپور فنا کے کنارے پر موجود اور لطف گوناگوں کا محور اور اضداد کا معدن و مخزن ہے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ جونسی بھی دو چیزیں ایک دوسرے کی ضد اور متقابل ہوتی ہیں ان میں ضرور ایک طرف اچھائی اور دوسری طرف بُرائی ہوتی ہے اس لیے یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ دو چیزیں ایک دوسرے کے مقابل بھی ہوں۔ اور دونوں اچھی بھی ہوں یا دونوں ہی بُری ہوں ضرور ایک جانب شر ہوگا اور دوسری جانب خیر ہوگی۔ ایک چیز مفید ہوگی اور دوسری مضر ایک پسندیدہ ہوگی اور دوسری جانب ناپسند، ایک محبوب ہوگی اور دوسری مغضوب، ایک حَسنہ کہلائے گی اور دوسری سَیّۂ اور فطرت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ہر حقیقت کے مقابلہ میں لازماً اس کی ضد بھی موجود ہو۔ چونکہ اسلام بھی ایک حقیقت ہے تو تقاضائے فطرت کے موافق اس کے بالمقابل بھی کسی ضد کا ہونا ضروری ہے اور چونکہ ایمان اور اسلام کے معنی اقرار اور فرمانبرداری کے ہیں تو اس کی ضد انکار اور سرکشی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔ انکار اور سرکشی کی اصطلاحِ شرع میں کفر کہا جاتا ہے پس ایمان اور کفر ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یقین اقرار اور فرمانبرداری پسندیدہ اعمال ہیں اور اس کے مقابلہ میں انکار، سرکشی اور نافرمانی ناپسندیدہ اعمال ہیں اس لیے ارشاد ہے کہ "ان الدین عند اللہ الاسلام (ترجمہ) پسندیدہ طریقہ اللہ کے نزدیک اسلام کا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہُ ولا تتبعوا السُّبل (ترجمہ) یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو اور دوسرے

راستوں پر مت چلو۔

بہرحال جبکہ اس عالم کون و فساد میں اسلام کا وجود ہے اس کی ضد کفر کا وجود بھی لازمی ہے۔ اور جب تک اسلام موجود ہے کفر بالکلیہ دنیا سے مٹ نہیں سکتا اس لیے ہر چیز کے مقابلہ میں جس کی حقیقت خیر ہو ایسی چیز کا وجود ضروری ہے جس کی حقیقت شر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شروع سے ایمان کے مقابلہ میں کفر، حق کے مقابلہ میں باطل، ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت

روحانیت کے مقابلہ میں نفسانیت و بہیمیت نیکی کے مقابلہ میں گناہ پھر نتائج کے سلسلہ میں بشارت کے مقابلہ میں وعید ثواب کے مقابلہ میں عذاب، جنت کے مقابلہ میں دوزخ، خوشنودی الٰہی کے مقابلہ میں لعنت و غضب الٰہی موجود ہیں اور رہیں گے۔

پھر چونکہ ہر انسان میں فطرۃً ابتدائے آفرینش سے ہی دو قوتیں، قوتِ روحانیہ اور قوتِ بہیمیہ ودیعت فرمائی گئی ہیں اس لئے ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے میلان و رجحان اور فطری روش و کشش اور قوتِ جاذبہ کی مناسبت سے مقناطیس کی طرح خیر و شر کی طرف خود بخود چلا جاتا ہے، مگر دنیاوی نفع و نقصان سے چونکہ انسان جلد آگاہ ہو جاتا ہے اور اس میں تمیز آسان ہوتا ہے اس لئے انسان کو اصلاح پذیر ہونے کے لیے زیادہ دن نہیں لگتے۔ بہت جلد اپنی غلطی کو محسوس کر لیتا ہے، بخلاف ان امور کے جن کی طرف انسان کو فطرۃً رجحان بھی ہوتا ہے اور وہ امور لذائذ نفسانی سے بھی پُر ہوتے ہیں اور کھلے طور پر کچھ نفع بھی دکھائی دیتا ہے مگر اس کے نقصان مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اس سے پرہیز نہیں کرتا بلکہ ساری عمر ان ہی لذائذ میں مبتلا رہتا ہے اور یہ انسانی لغزش اس کو صحیح راہ پر نہیں آنے دیتی اور وہ اسی دھوکہ میں پڑا رہتا ہے کہ اچھے کو بُرا سمجھے اور بُرے کو اچھا۔

"عسیٰ اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

ترجمہ: بسا اوقات تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہوتی ہے اور بسا اوقات تم کسی چیز کو پسندیدہ سمجھتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی کے لیے ہدایت کا سامان فرمایا۔ اسلامی نقطہ نظر سے جن و انس کے سوا اور کوئی مخلوق مکلف اور احکام شریعت کی پابند نہیں کی گئی بلکہ ساری مخلوق صرف تکوینی احکام کی پابند ہے بلکہ ان کی تخلیق ہی عبادت اور فرمانبرداری کے لیے ہوتی ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون:

ترجمہ: جن اور انسان کو اپنی فرمانبرداری کے لیے پیدا کیا۔

اور ان ہی دونوں کو اپنے احکام بتلائے اور اطاعت کا طریقہ سکھانے نیک و بد میں تمیز کرنے اور ہر عمل کے اچھے اور بُرے مخفی نتائج کے ظاہر کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو نقیب و مناد اور اخلاق فاضلہ کا معلم بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا جو اپنا کام پورا کر کے اپنے اپنے مقررہ وقت پر دُنیا سے تشریف لے گئے۔ اب حضور پرنور کے سچے متبعین کے ذریعے قیامت تک دینِ متین کی تبلیغ ہوتی رہے گی اور اس طرح حق تعالیٰ نے ایمان ہدایت، دیانت و امانت اخلاقِ سعادت کی بقا اور تحفظ کا سامان فراہم فرمایا مگر جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ حقیقت کے سامنے اس کی ضد کا وجود ضروری ہے تو جب اسلام کی بقاء کے لیے یہ سامان ہے تو یقیناً اس کی ضد کفر کے لیے بھی ابتدائے آفرینش سے قیامت تک نقیب و مناد کا وجود ضروری ہے۔ کفر کے مناد انس و جن شیاطین ہیں جو حضرت آدمؑ سے لے کر ہر نبی کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ تاکہ ہر زمانہ میں حق و باطل کی تمیز ہو سکے

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوًا شیاطین الانس والجن،

(ترجمہ) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسان اور جنوں میں سے شریر لوگوں کو دشمن بنا کر پیدا کیا اور ان تمام شیاطین کے سرتاج اور امام الشیاطین ابلیس لعین کو قیامت تک کے لیے کفر کی تبلیغ و ترغیب اور اشاعت عام کا موقع اور سہولت فراہم کیا۔

انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم۔ ہاں ہاں جا تو۔ تجھ کو مقرر

(باقی ۲۷ پر)

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہیں (مدیر)

کاروانِ احرار (جلد پنجم)

مصنف: جانباز مرزا

قیمت: -/۳۵ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تبصرہ ۴/۶ گلشن کالونی شاد باغ لاہور

سرفروشان احرار کے نام و کام سے کون واقف نہیں؟ ایثار پیشہ اور بہادر و مخلص کارکنوں کا وہ قافلہ جس نے حضرت امیر شریعت، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چوہدری افضل حق، (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسے بیدار مغز اور بہادر قائدین کی قیادت میں ملک کی آزادی کے لیے ریکارڈ توڑ کارنامے سرانجام دیئے ہماری "تاریخ ملی" کا ایک لازوال حصّہ ہے ــــ یہ صحیح ہے کہ انگریزی سیاست نے ایک مخصوص طبقہ کو اپنی نوازش ہائے بیجا سے نواز کر اپنے مخالفین یا دوسرے لفظوں میں آزادی کے حقیقی بہی خواہوں کو جس طرح مٹانا چاہا وہ ایک بڑی ہی مکروہ داستان ہے، مجلس احرار بھی کئی مرتبہ اس المیہ کا شکار ہوئی۔ اور بالخصوص لاہور کی مسجد شہید گنج کے نام پہ مخالفین احرار نے جو ڈراما رچایا وہ تو اتنا مذموم تھا کہ توبہ بھلی! احرار کو نیچا دکھانے اور اپنی دکانِ سیاست کو چمکانے کی غرض سے انگریز مدبرین اور اس کے کاسہ لیسوں نے جس طرح کعبہ کی بیٹی کو اپنی ہوا و ہوس کا نشانہ بنایا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج تک بھی شہید گنج اسی طرح سجدوں سے محروم ہے ــــ تاہم احرار احرار تھے وہ ہر بار زخمی ہوئے اور پھر انگڑائی لے کر اٹھے اور ایک دنیا کو محوِ حیرت بنا دیا ــــ اپنے یہاں کی جو صورتِ حال ہے۔ اس کے پیشِ نظر کسی شریف و مخلص ورکر کے لیے اپنی اور اپنی جماعت کی جدوجہد کا ذکر و تذکرہ جتنا مشکل ہے اس سے ہر باشعور آدمی واقف ہے ــــ یہاں تو ایک مخصوص طبقہ اور گروہ ہے جس کے سر پر کلاہِ افتخار سجائی جاتی ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ اس شرذمہ قلیلہ کے بغیر یہاں کسی کی کوئی خدمات نہیں۔ اس کو برعکس نہند نام زنگی کافور کا عنوان دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ جس طبقہ کو بخت و اتفاق نے یہاں بڑا بنا دیا ہے۔ اس کا آزادی کی جدوجہد سے کم از کم کوئی تعلق نہیں لیکن انگریز مدبرین کی دین دشمنی نے دنیا کو یہ روز بد دکھایا کہ اس نے آزادی کے متوالوں، دین کے خادموں اور سچا قومی جذبہ رکھنے والوں کو ہیرو بنا دیا۔ ان نام نہاد ہیروز نے جو گل کھلائے ان کی داستان نہ صرف تلخ ہے بلکہ اتنی شرمناک ہے کہ شرافت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ یک طرفہ ٹریفک کا ایک کاروبار تھا جو یہاں چلایا گیا۔ اور اس طرح کہ اختلافی نکتہ نظر رکھنے والے ورکروں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا خاص ڈھنگ کی کتابیں لکھوائی گئیں اور مسلسل پروپیگنڈے سے یہ باور کرایا گیا کہ ہمارے مخالفین ایسے تھے اور ویسے تھے۔ نصابی حد تک کسی ایسی کتاب کا کورس میں شامل ہونا تو خیر ناممکنات سے ہے جس میں آزادی کی جدوجہد کو حقیقی رنگ میں پیش کیا گیا ہو۔ کیونکہ جونہی حقیقی رنگ سامنے آئے گا بہت سے تقدس مآب مجرموں کی صف میں ہوں گے اس مصیبت عظمیٰ سے بچنے کے لیے خداوندانِ حکمت نے یہی پالیسی اپنائی کہ مکتب و مدرسہ کی چاردیواری میں کوئی کتاب ایسی نہ آنے پائے جس کا نقطہ نظر ہمارے خود ساختہ نظریات کے خلاف ہو اور پھر یہ قصہ جو بڑھا تو عام دوائر میں بھی یہی کوشش کی گئی کہ اس قسم کا لٹریچر سامنے نہ آنے پائے لیکن بھلا ہو

کرے ملک کے ان گنے چنے اہلِ قلم حضرات کا جنہوں نے سر ہتھیلی پر رکھ کر سچ کو سچ کہنے کی ریت ڈالی اور تاریخی طور پر اس غلیظ و مکروہ پروپیگنڈے کا توڑ کیا۔ انہی اہلِ قلم میں ہمارے جانباز مرزا بھی ہیں جن کی کتاب کاروانِ احرار کی چار جلدوں پر انہی صفحات میں تبصرہ ہو چکا ہے۔ اور اب پانچویں جلد پر تبصرہ ہو رہا ہے۔

کاروانِ احرار کے نام سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ مجلس احرار اسلام کی سرگرمیوں اور اس کی محنت و سعی کا تذکرہ اسی میں ہوگا لیکن ایسا نہیں بلکہ بقول مصنف یہ گزشتہ نصف صدی کی تاریخ حریت ہے جو مجلس احرار اسلام، مسلم لیگ، کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہند کی جدوجہد آزادی کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے ان گنت لائبریریوں کی خاک چھانی۔ متعدد افراد سے ملے اور ان سے مواد حاصل کیا اور پھر کمال دیانت کے ساتھ جس جماعت کی حد تک جتنی بات تھی کہہ ڈالی۔ حوالہ کے اعتبار سے بڑی شاندار کتاب ہے اور ایک قاری ایک ہی منظر میں ایک ہی مسئلہ پر مختلف جماعتوں کے اعمال و کردار کا جائزہ لے سکتا ہے۔

مصنف جو سن وار کام کر رہے ہیں انہوں نے اس جلد میں ۱۹۴۱ء، ۴۲ء، ۱۹۴۳ء کے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ یہ سال برعظیم کی تاریخ میں بڑے ہی ہنگامہ خیز تھے۔ دوسری جنگ عظیم کی آگ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ غریب ہندوستانی اپنی مرضی کے خلاف اس آگ میں جھونکے جا رہے تھے۔ آج کے خداوندان .... بڑی خوشی اور مسرت سے انگریز کی ہاں میں ہاں ملا کر اس کی فوجی بھرتی میں اس کا ہاتھ بٹا رہے تھے جبکہ مجلس احرار سمیت دوسری حریت پسند جماعتیں اس طرز عمل کے خلاف مجسم احتجاج بن کر وطن عزیز کی غلامی کے بندھن توڑنے میں مصروف تھیں ــــ یہ جدوجہد ۱۹۴۷ء میں رنگ لائی۔ بندھن ٹوٹے اور اس طرح کہ انگریز یہاں سے نو دو گیارہ ہوگیا۔ لیکن گستاخی معاف انگریز کسی قابل وکیل کے دلائل سے مرعوب ہو کر یا کسی شملہ کانفرنس کے نتیجہ میں نہیں گیا اس کے جانے کا راز یہ تھا کہ غلام ہندوستان کے

کے عوام سر پر کفن باندھ کر اس سے نبرد آزما
تھے اور بالآخر ان کے جذبوں کے سامنے
اس کی سطوت مار کھا گئی اور وہ جانے پر
مجبور ہوگیا۔ یہ جدوجہد کن مراحل سے گذری
کتاب کا یہی عنوان ہے اور جانباز صاحب
اس محنت پر مستحق تبریک ہیں۔ آج کے
سیاسی ورکروں اور دوسرے طلبائے عزیز کے
لیے اس کتاب کا مکمل سیٹ ایک ایسی
ضرورت ہے جس سے مفر نہیں۔ ہمیں امید
ہے کہ اہل ذوق اس کی قدر کریں گے۔

بقیہ: حق و باطل کی کشمکش

وقت قیامت تک کے لیے مہلت دی
جاتی ہے۔

اور عام انسان کو علی الاعلان مطلع فرما
دیا گیا کہ دیکھو شیطان تمہارا پکا دشمن ہے
اس کا خیال رکھنا۔ ان الشیطان للانسان
عدو مبین (ترجمہ "شیطان درحقیقت
انسان کا کھلا دشمن ہے"۔ پس جس طرح
انبیاء اور ان کے متبعین کے ذریعے قیامت
تک حق کی تبلیغ و اشاعت جاری رہے
گی۔ اور اسی طرح قیامت تک کفر کی
تبلیغ واشاعت ہوتی رہے گی۔ ان آئمۃ
الکفر شیاطین الانس والجن اور ان
کی ذریات کے ذریعے۔ اور یوں ایمان و
کفر کا مقابلہ حق و باطل کا معرکہ صدق و
کذب کی جنگ، نیکی و بدی کی کشمکش ہمیشہ
ہمیشہ ہوتی رہے گی۔)

زمانہ نبوت کے بعد اہل خیر کی کمی نفس
کی پیروی کی کثرت اور سنت نبوی سے
کنارہ کشی کی وجہ سے ایک وقت ایسا
آجائے گا کہ باطل کا غلبہ ہو جائے گا۔
اور یہ دنیا اس قابل نہ رہے گی کہ اسے
آباد رکھا جائے اور اسلام کی منادی
خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے
نیچے اتارا جائے گا جو اس زمانہ کے امام
الکفر دجال سے مقابلہ کرکے اس کو
شکست دیں گے اور قتل کر دیں گے۔ اور
رفتہ رفتہ بساط عالم لپیٹ دی جائے گی
اور قیامت آجائے گی۔

بہر حال یہ دونوں حقیقتیں جو ایکدوسرے
کے مقابلہ میں اوّل سے آخر تک ڈٹی
ہوئی ہیں اور ڈٹی رہیں گی ان میں سے
حق کی بنیاد چونکہ مرضیات الٰہیہ پر ہے
اس لیے وہ عند اللہ پسندیدہ محبوب تھے
اور باطل کی بنیاد چونکہ عناد باللہ پر
ہے اس لیے عند اللہ وہ ناپسندیدہ اور
مبغوض تھے لیکن حق تعالیٰ نے فطرتِ
انسانی کو مجبور پیدا نہیں کیا بلکہ آزاد
رکھا ہے نہ حق کے اختیار کرتے پر
مجبور کیا ہے اور نہ باطل کے اختیار
کرنے پر مجبور پیدا کیا بلکہ حق و باطل
کی دونوں راہیں سامنے کرکے انسانی
عقل و دانش اور اس کے اختیار
تمیزی پر چھوڑ دیا اور متنبہ فرمایا۔

الم نجعل لہ عینین ولسانا
وشفتین وھدینٰہ النجدین

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں دے دیں
انسان کو دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ
اور دکھا دیں اس کو دونوں راہیں، کہ
آنکھوں سے دیکھ، زبان اور ہونٹ
کے ذریعے پوچھ کر حق و باطل کی دونوں
راہوں میں سے جس کو چاہے اپنے اختیار
سے متعین کر۔۔۔

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء
فلیکفر (ترجمہ) پس جس کا
جی چاہے ایمان کو اختیار کرے اور
جس کا جی چاہے کفر کو اختیار کرے
لیکن یاد رہے کہ ایمان اور کفر کی
حقیقت یہ ہے کہ کفر نام ہے
باطل کی اتباع کا اور ایمان نام
ہے حق کی اتباع کا۔

بقیہ:- ہندوستانی اثرات

کے بعد چوتھی چالے کی رسمیں اوّل سے آخر
تک ہندوستانی ہیں اور مسلمانوں میں عام
طور پر مروج ہوگئی ہیں۔ حیدر آباد کے
امراء میں تو وہ شادی شادی نہ سمجھی جاتی
تھی جس کی رسمیں ایک ماہ تک نہ ہوتی
رہتی تھیں اور اس طرح کے چونچلے بکثرت
ہوتے تھے کہ پیغام کے ساتھ دل پکا کر
بھیجا جاتا تھا۔ اور اس کے جواب میں اگر
قبولی پک کر آتی تھی تو رشتہ منظور سمجھا
جاتا تھا۔ مہر اور طلاق کے اسلامی قانون
کی بے حرمتی اس طرح ہوتی تھی کہ مہر
میں ایک بڑی رقم کے ساتھ مچھر کی تولہ
بھر چربی بھی لکھی جاتی تھی کہ نہ نو من تیل
ہو اور نہ رادھا ناچے۔ نہ یہ رقم اور مچھر
کی چربی فراہم ہو نہ دل پھینک شوہر بیوی
کو طلاق دینے کی ہمت کرے لیکن ان میں
سے اکثر رسمیں معاشی دباؤ اور اصلاحی
تحریکوں کے زیر اثر رفتہ رفتہ ختم ہو
رہی ہیں اور دم توڑ رہی ہیں اور زندہ
رہنے کے آثار بس اسلام کی سادہ رسول